عظیم شخصیتیں

۸

علامہ محمد باقر مجلسیؒ

مؤلف

حسن ابراہیم زادہ

مترجم

حسن عباس فطرت

علماء و دیگر

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No 11,
M. Heights
Mirza Kaleej
Baig Road,
Soldier Bazar
Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

عظیم شخصیتیں

علامہ محمد باقر مجلسی رہ

مؤلف

حسن ابراہیم زادہ

مترجم

حسن عباس فطرت

ACC No. 7521 .... Date........
Section .... Status........
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

بسم الله الرحمن الرحيم

انصاریان پبلکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵_۱۸۷
قم جمہوری اسلامی ایران ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴

مشخصات

نام کتاب ---------- علاّمہ مجلسیؒ
مؤلف ---------- حسن ابراہیم زادہ
ترجمہ ---------- حسن عباس فطرت
کتابت ---------- جعفر خان
ناشر ---------- انصاریان پبلیکیشنز، قم ایران
مطبع ---------- بہمن قم
طبع ---------- اول
تعداد ---------- ۲۰۰۰

فہرست مضامین

پیش لفظ ـــــــــــ ۹

مقدمہ مؤلف ـــــــــــ ۱۴

عرض مترجم ـــــــــــ ۱۶

فصل اول ! ۲۰

سچا خواب ـــــــــــ ۲۰

سوغات زیارت ـــــــــــ ۲۱

آغوش زہد میں ـــــــــــ ۲۴

گہر ہائے مجلس آرا ـــــــــــ ۲۶

گہوارہ میں ستارہ ـــــــــــ ۲۸

جو دلوں کو فتح کرے ـــــــــــ ۲۹

مسیحا نفسی ———— ۳۱
آئینہ پدر ———— ۳۳
مشرق کا نگینہ ———— ۳۵
نور کے تعاقب میں ———— ۳۷
منبر پر آفتاب ———— ۳۸
فصل دوم : ۴۱
آخری درس ———— ۴۱
پرچم بندگی ———— ۴۳
بسوئے نور ———— ۴۴
محراب بحار الانوار ———— ۴۵
قلم نور ———— ۴۶
مقدمۂ بحار الانوار ———— ۴۷
باقر العلوم ———— ۴۹
بحار کا درجہ بہار کی نظر میں ———— ۵۰
یکّہ وتنہا بحار کے ساتھ ———— ۵۱
ماتھے کا تل "خال جبیں" ———— ۵۴
استاد کا سایہ ———— ۵۵
تبسم میں رعب ———— ۵۶
فصل سوم ۵۹

تاریخ کا دوراہہ	۵۹
واقعیت وحقیقت کی طرف	۶۰
دربار میں اغیار کی گھس پیٹھ	۶۲
آستین کے سانپ	۶۴
دھوکے کی ٹٹی	۶۵
فلک نشینان عشق	۶۷
قلب بیاباں میں نخلستان	۶۹
عہدہ ومرتبہ کا تمغہ	۷۰
دربار کی ایک پراسرار شخصیت	۷۲
صوفیوں سے دو دو ہاتھ	۷۴
امن وسکون کی بارش	۷۵
فصل چہارم	۷۹
حوزہ میں حوزہ	۷۹
حر آزادہ	۸۰
بت شکن عصر	۸۳
چشمۂ فیض عام	۸۴
شہادت استاد	۸۸
خوبرو مقدس	۹۱
سفر، سلاح قلم کے ساتھ	۹۲

مستقبل، خواب میں ۹۴

فصل پنجم ۹۷

شاہ کی موت ۹۷
آخری سلطان ۱۰۰
مرد مستقبل ۱۰۲
پس پردہ سازش ۱۰۶
شاہ کا سقوط ۱۰۷
برسرمحاذ ۱۱۰
ہمدم و دمساز کتاب ۱۱۳
بحار الانوار سب کے لئے ۱۱۵
ایمان کا چاؤش "ہراول دستہ" ۱۱۷
نورانی وصیت ۱۲۰
آخری افطار ۱۲۲
غروب آفتاب بوقت سحر ۱۲۵
منابع و مآخذ ۱۲۷

پیش لفظ

یہ دعویٰ ہی نہیں حقیقت ہے کہ نہ تو اسلامی آئین جیسا کوئی قانون ہے نہ امت مسلمہ جیسی کوئی ملّت و مکتب، جس کے دامن میں ایک سے بڑھ کر نمایاں شخصیتوں کے ایسے قابل تقلید و پیروی نمونے موجود ہوں جو نئی نسل کی تربیت و تہذیب کے لئے اعلیٰ مثال بن سکیں، ہاں اسی مکتب وحی و مکتب الٰہی کے امتیازات و افتخارات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس نے کتنے ہی ایسے الہام بخش و سرفراز چہروں کی پرورش کی ہے جو ہر شخص کے طرز حیات و زیست کی رہنمائی کر سکتے ہیں، وہ چہرے جینے کا سلیقہ بھی سکھاتے ہیں اور راستہ بھی دکھاتے ہیں،

یوں تو بزرگوں کی سوانح حیات سبھی کیلئے مفید ہے خصوصًا خود ساختہ (SELF.MADE) و مہذب افراد کی زندگی کے نشیب و فراز سے آشنائی اور رشد و کمال کے جادہ پر ان کی توفیق و کامرانی کے رموز و اسرار کا جاننا نئی نسل اور جوانوں کیلئے

خود کو سنوارنے و بنانے کا آسان و بہترین نسخہ ہے کیونکہ یہ نونہال عمر کے اس دور میں ہیں اور ایسے حالات میں سانس لے رہے ہیں جہاں فطری طور پر نمونہ و ہیرو کی تلاش رہتی ہے۔ ان کے ضمیر میں کسی کو سر مشق بنانے اور شخصیتوں سے آشنائی پیدا کرنے کی کسک اور دل سے کہیں زیادہ پائی جاتی ہے اس طرح سے بزرگان دین کا زندگی نامہ سوانح عمری اور اسلام کے منور و تابناک چہروں خصوصًا علمائے راستین و پابند نیز مسلمانوں کی وہ علمی ہستیاں جن کا شمار ہمارے مفاخر میں ہے۔ ان کا ذکر مفید ہی نہیں ضروری بھی ہے ساتھ ہی ان کی اس طلب و خواہش کا جواب بھی ان ہی کی سطح و معیار کے مطابق ہونا چاہیئے، ورنہ بات بننے والی نہیں چنانچہ ہم نے اس سلسلۂ کتب کے وسیلے سے اپنے افتخارات کی عظمت کے آگے سر جھکاتے ہوئے بزرگان اسلام کی یاد کو تازہ کیا ہے اور معاشرہ کے حضور میں تربیت و اخلاق کے نمونے پیش کئے ہیں، اور ان عالمان پاک و بے ریا و دل سوز کی زحمتوں، مشقتوں، اخلاص و خدمات کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں "عظیم شخصیتیں" نامی سلسلہ کتب میں طبقۂ جوانان کے لئے علماء و دانشمندان گذشتہ کی علمی و ادبی و ثقافتی کارہائے نمایاں کو سادہ و سلیس عبارت میں بیان کیا گیا ہے یہ مجموعہ دراصل حوزۂ علمیہ قم میں ان چند احباب و ہم خیال و ہم قدم لوگوں کے اجتماع کا حاصل ہے جو "مجمع اہل قلم" کے ان ہفتہ وار جلسوں میں شریک ہوتے تھے، جو مرکز تحقیقات باقر العلوم میں منعقد ہوتے رہے ہیں، اس مجمع کا مقصد قلمی کارگذاری اور تحریر کے میدان میں اپنی ادبی صلاحیتوں کو تقویت بخشنا ہے۔

چنانچہ ایک مدت تک مختلف و متفرق موضوعات پر خامہ فرسائی کے صلاح ٹھہری کہ یوں نہیں، اب کسی خاص موضوع کو لیا جائے مگر اس تعلق سے

علمائے دین کی سوانح عمری سے مناسب ترکچھ اور نہ ملا،

لہٰذا طے پایا کہ اسے حتی الامکان مختصر ورواں اور عصری اسلوب میں لکھا جائے اور مخاطب وہی مخصوص گروہ ہو جو تفصیلی وضخیم کتابوں کے پڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا اور اگلے زمانہ والوں کی طرزتحریر سے مانوس بھی نہیں ہے، اس طرح دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو موجودہ دور والے مکتب تشیع کے بزرگوں کے اخلاق، افکار روحیہ سے آشنا ہوں گے۔ دوسرے وہ تقوی وعلم وتلاش کے ان اعلیٰ نمونوں کو اپنے حال ومستقبل کی راہ کا چراغ قرار دے سکیں گے،

اس سلسلہ میں جن شخصیات کا تعارف کرایا گیا ہے ان کے انتخاب میں نہ تو تاریخی قدامت کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ تخصص یا زمانی ترتیب، یا صاحب تالیف و تصنیف کثیرہ ہونے کا بلکہ صرف ایک نکتہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ وہ علم ومعنویت، اخلاق اجتماعی، کوشش وخدمات اسلام میں نمونہ بننے کی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہوں، کہا جاسکتا ہے کہ اس معیار کے نمونے تو اتنے بہت ہیں کہ ان سے ایک دائرۃ المعارف "انسائکلو پیڈیا" مرتب ہو جائے یہ بات صحیح ہے اور مجمع نے بھی شخصی توانائی اور افراد کی اپنی صلاحیت کو ملحوظ رکھ کر ہر ایک ممبر کو کسی نہ کسی کا زندگی نامہ لکھنے کا ذمہ دار بنا دیا ہے تاکہ بتدریج یہ مکمل وتیار ہو اور عوام اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں،

ان جلسوں میں ابتک جن نیک وابرار شخصیات کے نام منتخب کئے گئے وہ اس طرح ہیں،

(۱)—— شیخ صدوق، پاسدار بزرگ حدیث وفقہ،

(۲) سیدمرتضیٰ علم الھدیٰ، پرچمدار علم وسیاست،

(۳) علامہ مجلسیؒ مردی از فردا،

(۴) کلینیؒ، حامل علوم واحادیث اہلبیتؑ،

(۵) مولائے مہدی نراقی. آموزگار بزرگ اخلاق،

(۶) شیخ انصاری، فروغ زہد وفقاہت،

(۷) میرزای شیرازی، شیر فتویٰ۔

(۸) ملا صدرا، خورشید فلسفۂ اسلامی،

(۹) فیض کاشانی، مرد ادب وعرفان،

(۱۰) شہید ثانی، مدافع فقہ شیعہ،

(۱۱) خواجہ نصیر الدین طوسی، قلّہ بلند عقل وعلم وسیاست،

(۱۲) شیخ بہائیؒ، زاہد سیاستمدار ودانشمند ذی فنون،

(۱۳) شیخ حرّ عاملی، خدمت گزار حدیث وفقہ،

(۱۴) شہید آیۃ اللہ سعیدی، فریادی در سکوت،

(۱۵) شہید مطہری، شیخ شہید،

(۱۶) امام خمینیؒ، احیاگر اسلام ناب محمدی

مذکورہ بالا اسمار میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے نہ اس کا دعویٰ ووعدہ ہے کہ ان شخصیات کی مکمل حیات بیان ہوسکی ہے بس جو بھی جلد تر فراہم ہوگیا اسے طبع ونشر کرکے اہل ذوق وطلب کے ہاتھ میں دیدیا گیا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جن بزرگوں کا حال قلم بند کیا گیا ہے ان میں زیادہ ایسے ہیں جو دیہات کے ماحول اور گمنامی کے اندھیرے

سے نکل کر عظمت کے معیاروں اور علم و پارسائی کی شہرت عامہ تک پہونچے ہیں بہرحال مردان بزرگ کی کامیابی کے راز سے یہ تحریریں جدید نسل کو متعارف کرتی ہیں اور ہم اپنی معنوی زندگی میں انھیں نمونہ عمل قرار دے کر ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کے راستے پر چلتے رہیں گے،

مرکز تحقیقات

قم باقر العلوم ،

مقدمہ مولف

زیرِ نظر رسالہ آسمان فقاہت و دیانت نمونۂ سیاست مکتبی "باب الائمہ" علامہ مجلسیؒ کی زندگی کا مختصر تذکرہ ہے وہ مردِ عظیم جو تاریخ کے حساس ترین دور میں اپنے مذہب و وطن کی کشتی کا لنگر تھا، وہ جلیل القدر انسان جس نے تشیع کے علمی ذخائر کی جمع آوری و بازیابی اور انحراف و التقاط کا مقابلہ کرتے ہوئے حوزہ ہائے علمیہ کے لئے روشن دریچہ کھولا اور طلاب کو نیا افق دکھایا نیز اپنی دور اندیشی و فراست سے کام لے کر سرزمین ایران کو حوادث روزگار اور خائن و غدّار افراد کے حملے سے محفوظ رکھا اور جب تک اس کا اثر و نفوذ رہا کسی حکومت و طاقت کو ایران سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت نہ ہوئی۔

آج اس کی ایثار و قربانی سے منور زندگانی مغربی مستشرقین اور واقف و نا واقف روشن خیالوں کی مغالطہ آمیزی و فریب کاری کے پردہ میں پنہاں

ہو گئی ہے ،

امید ہے کہ یہ رسالہ ہمارے عزیز نوجوانوں کو اس بطل جلیل کے افکار و عقائد و حالات زندگی سے آشکار کرے گا ،

چونکہ اس رسالہ کے مدارک و مآخذ یک رنگ و یک قلم نہ تھے اور اسکے مخاطب جوان و نوجوان ہیں ، اس لئے بہت سے مدارک و منابع میں اصل مطلب کو سالم رکھتے ہوئے کچھ تصرف کیا گیا ہے ، امید ہے کہ مذہب برحق کے مدافعین اور سرزمین ایران کو عالمی سازش کاروں سے بچانے والوں کے لئے یہ رسالہ لائق توجہ ہو گا ،

مرکز تحقیقات
قم باقر العلوم
حسن ابراہیم زادہ

عرض مترجم

بلاشبہ طوسیؒ و مجلسی (رہ)، جہان تشیع کے مہر و ماہ ہیں، ایک نے حوزۂ علمیہ نجف قائم کر کے مذہب جعفری کی جڑوں کو زیر زمین اس طرح پھیلا دیا کہ قیامت تک اس کے لئے رشد و ترقی مقدر ہو گئی، چنانچہ نجف کے حوزۂ علمیہ کو تار مار کرنے کے بعد بھی ستمگر و طاغوتی جل بھی رہے ہیں کہ مکتب تشیع کی آفاقیت و پہنائی بڑھی ہے گھٹی نہیں، اور یہی کام علامہ مجلسی (رح) نے دوسرے انداز میں طوسی کے چھ سو برس بعد کیا، انہوں نے مسلسل ساٹھ سال تک احادیث پیغمبرؐ اور اخبار آئمہ اہلبیتؑ کی ریزہ چینی کی، اس راہ میں اتنا طولانی سفر و گہری شناوری کی کہ رہتی دنیا تک ہدایت کا یہ چشمہ ابلتا ہی رہے گا، ان کا مجموعہ احادیث "بحار الانوار" پوری امت مسلمہ میں بے مثال ہے۔

تشیع کے سرخت دشمنوں کی زبان پر بھی آپ کا نام آتا رہا ہے خواہ وہ مشہور

مستشرق ڈاکٹر براؤن ہو، یا موٴلف، تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، کہ بے باک وآزاد صاحب قلم نیاز فتحپوری، مجلسیؒ اپنی کتاب لاجواب بحارالانوار کی طرح خود بھی اپنی جگہ پر ایک انجمن، ایک دائرۃ المعارف، اور ایک شمع فروزاں تھے، زندہ وتابندہ، جس کی طرف کتابوں میں کچھ اشارے موجود ہیں،

ہم نے بچپن میں اپنے اساتذہ سے بار بار سنا ہے کہ اگر مجلسیؒ کی زندگی کے ایام وساعت سے ان کی تحریروں کا اوسط نکالا جائے تو روزانہ کم وبیش ہزار سطریں بنتی ہیں جو یقیناً محیر العقول اور مخصوص تائید غیبی ہی ہے۔ مجلسیؒ مجمع صفات و فضائل تھے اور تصنیف وتالیف کے ساتھ عبادت، ریاضت، زہد وتقویٰ، درس وتدریس وعظ وخطابت اور عوامی رابطہ کیلئے بھی مشہور تھے خیال ہے کہ وہ جو لکھتے تھے کسی کاتب کی مدد نہیں لیتے تھے

سچی بات یہ ہے کہ جس طرح طوسیؒ کے بعد حضرت وحید بہبہانیؒ اور ان کے تلامذہ نے اصولیین کی راہ کے تمام کانٹے صاف کردیئے اس طرح علامہ مجلسیؒ، حر عاملیؒ ومحدث نوری وقمیؒ کیلئے راہ نما ثابت ہوئے ہرچند کہ علماء کبار، مفیدؒ ومرتضیٰؒ وکلینیؒ وصدوقؒ ومحقق طوسیؒ وعلامہ حلیؒ، شیخ بہائیؒ وغیرہم اپنی جگہ پر ستون تشیع ہی نہیں بلکہ ایوان زریں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جو بلند مرتبہ مجلسیؒ کے لئے مخصوص رکھا تھا وہ کسی کے حصے میں نہ آسکا، لانفرق بین احدمن رسل کا اقرار کرنے کے بعد تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض پر نظر جاتی ہے تو یہ بات نامناسب نہیں لگتی نہ غیر شائستہ،

درحقیقت علامہ مجلسیؒ کی زندگی ایک رزمیہ ہے جو ان کے درون میں ہمیشہ برپا رہا، وہ دل سے شاہوں بادشاہوں کے حمایتی یا دعاگو نہیں تھے مگر مذہب کی خاطر ان کے تلخ وترش برتاؤ کو بھی زہرمار کرتے رہے، جسکے نتیجہ میں ایران مطلع

وہ مرکز تشیع بن گیا۔

یہ بھی لائق ذکر و غور ہے کہ علامہ مجلسی خواص سے کہیں زیادہ عوام سے ربط رکھتے تھے۔ مگر ان کی یہ محبوبیت اور عوام کا ان سے دلی رابطہ ان کے کارہائے عظیم کی راہ میں مانع نہ ہو سکا، فالنامے، تعبیر خواب، تہذیب اخلاق، دعاؤں کا مجموعہ، زیارات اور ایسے بہت سے مولفات جو ان سے منسوب ہیں ان کی تعداد بھی ان کی اہم تصانیف سے کم نہیں ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ مخلوقات پر شفقت کو نصف دین مانتے تھے،

اس مختصر کتاب میں فاضل مؤلف نے مجلسی کی شخصیت کے تمام خفی و جلی پہلوؤں کو ابھارا ہے، اور اسے اس تنظیم و تسلسل سے پیش کیا ہے کہ اگر قاری کتاب کو ایک بار اٹھا لے تو پھر بغیر ختم کئے نہیں رہ سکتا، علامہ کے بارے میں جتنی باتیں مشہور ہیں اس سے گریز کرتے ہوئے صرف مستند واقعات اور کتابی حقائق تک اپنے بیان کو محدود کر کے اسے جاذب و دلچسپ بنایا گیا ہے،

علامہ مجلسیؒ حضرت صاحب الزمان (عج) کو کسقدر عزیز تھے اور حضرت ولی عصرؑ نے اس کا مظاہرہ بھی بار بار کیا ہے یہ باتیں چونکہ علم سینہ سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے مولف علام نے اس پر بھی خامہ فرسائی نہیں کی مگر مجلسیؒ کے مزار مقدس میں جو جاذبیت ہے اور وہاں جا کر دعائیں و منت و مراد جس طرح پوری ہو جاتی ہیں اس کا تجربہ بہت کچھ کہتا ہے، کتاب میں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے،

"دیدار با ابرار" کے اس سلسلہ الذہب کو فارسی زبان سے اردو میں منتقل کرنے میں برادر ارجمند آقائے انصاریان کی خصوصی زحمت ولگن بھی لائق ذکر ہے

اگر وہ ایسا نہ کرتے تو عالم تشیع کا ایک بڑا حلقہ ان گہر ہائے نایاب کی چمک ودمک سے محروم رہ جاتا، میں اپنے تئیں اور تمام قارئین کرام سے خواہشمند ہوں کہ وہ برادر مذکور کی قدر افزائی فرمائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کو انتہا تک پہونچانے میں ان کا مددگار ہو،

مجھے خوشی وافتخار ہے کہ صاحب موصوف کے التفات خاص نے مجھے بھی اس کار خیر عظیم میں شرکت کا موقع عطا کیا اور اب میری چوتھی کتاب طبع و نشر کے لئے جارہی ہے، ترجمہ کتنا ہی اچھا اور محنت سے کیوں نہ کیا گیا ہو پھر بھی سب کے لئے اطمینان بخش ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے عذر و معذرت رسمی ہو کر رہ جاتی ہے

پس قارئین سے دعائے خیر کا طالب ہوں،

عذر تقصیرات ما چند آنکہ تقصیرات ما،

حسن عباس فطرت

دفتر مجلہ صداقت،

پونا ہندوستان

۸ر جمادی الاول ۱۴۱۷ھ ق،

فصل اول

سچا خواب

آخوند خراسانی (صفوی عہد کے ایک دانشمند و عالم) خواب کے عالم میں کسی مکان پر پہونچے پھر جب کمرہ کا دروازہ کھولا گیا تو اس میں داخل ہوتے ہی ان کی نظر پیغمبر اکرم (ص) و ائمہ اطہار (علیہم السلام) کے رخسار و چہرۂ نورانی پر پڑی جو ایک ہی صف میں بیٹھے ہوئے تھے، سلام و عرض ارادت کے بعد، حضرت صاحب الامرؑ نے، جو آخر میں تشریف فرما تھے ان کی تعظیم و احترام کرتے ہوئے اپنے پاس بٹھایا، اتنے میں دروازہ کھلا اور محمد تقی مجلسیؒ عرق گلاب کی بوتل لئے ہوئے اندر آئے پہلے آنحضرتؐ و آئمہ اطہارؑ کے دست مبارک پر اس کے بعد آخوند خراسانی پر گلاب پاشی کی اور باہر چلے گئے چند ہی لمحوں کے بعد وہ پھر کمرے میں داخل ہوئے مگر اس طرح کہ ان کی بغل میں ایک نومولود کپڑے میں لپٹا ہوا تھا وہ آنحضرتؐ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے بولے کہ یا رسول اللہؐ

اس بچے کے لیئے دعا فرمائیں کہ خدا اسے دین اسلام کے مروجین میں قرار دے آنحضرت ص نے اس بچے کے توشک کو پکڑ کر دعا کی اور پھر اسے امیر المومنین ع کے حوالے کر کے کہا کہ اس کے حق میں دعا کیجیے بعد میں تمام آئمہ اطہار ع بچے کو علی الترتیب ایک دوسرے کے سپرد کرتے گئے اور دعا کی فرمائش کی یہاں تک کہ حضرت ولی عصر عج کی باری آئی، آپ ع نے دعا کے بعد بچے کو آخوند خراسانی کو سونپ کر کہا کہ اس کے حق میں دعا کرو، چنانچہ آخوند مذکور نے بھی حضرت ع کے حکم پر بچے کے توشک کو پکڑا اور دعا کی ۔!

سوغات زیارت

آخوند خراسانی کے ہونٹوں پر دعا جاری تھی کہ آنکھ کھل گئی، گلاب کی خوشبو ان کے شامہ میں بسی ہوئی تھی اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی دعاؤں کی آواز کان میں آرہی تھی اور ان کے نورانی چہرہ کا تصور آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد سکون ہوا، دل ٹھہرا اپنے عزیز دوست ملاّ محمد تقی مجلسی رح کی محبت نے جوش مارا انہوں نے سمجھ لیا کہ خداوند کریم نے انھیں گرانبہا موتی عنایت کیا ہے جسے پیغمبر ص اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی تائید حاصل ہے،

وہ عراق کی زیارت سے مشرف ہو کر واپس آرہے تھے، انہوں نے طے کیا کہ پہلے مشہد مقدس جائیں گے، پھر اصفہان " جہاں مجلسی رہتے تھے " تاکہ اپنی آنکھوں سے ان کی زندگی میں آئے ہوئے اس عظیم تغیر کو ملاحظہ کریں اور خود

اس کے گواہ ہوسکیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور وہ وقت آگیا کہ جس چھوٹے سے قافلہ میں آخوند شریک تھے وہ شہر اصفہان سے نزدیک ہونے لگا اور ہر لمحہ، باغ، چمن، پل، مساجد کی بلند منارے یکے بعد دیگرے سامنے آکر اپنا اپنا جلوہ دکھانے لگے، اخوند خراسانی کے لباس میں اب بھی ضریح و حرم ائمہ اطہار علیہم السلام کے عطر کی بو بسی ہوئی تھی انہوں نے خود کو ایسے شہر میں پایا جو اس زمانے میں خوبصورت پلوں، سنگی سڑکوں، محلات، مساجد و بزرگ مدارس علمیہ کی وجہ سے بلند پایہ عظمت کا مالک تھا، بالآخر اصفہان کی گلیوں، بازاروں اور سڑکوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے وہ محلہ مسجد جامع میں پہونچ گئے ہے

جیسے ہی محمد تقی مجلسیؒ کے مکان پر پہونچے مجلسیؒ اپنے دیرینہ و محبوب دوست کے استقبال کے لئے باہر آگئے دونوں بغلگیر ہوئے اور محبت ولطف نے دونوں کو خنداں وتبسم کیا مگر مجلسیؒ کی آنکھوں میں سرور وشادمانی کی پریاں ناچ رہی تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اخوند خراسانی کی آمد سے ایک ساعت پہلے ہی انھیں فرزند نرینہ عنایت فرمایا تھا ایسے موقع پر انہوں نے آخوند خراسانی جیسے فاضل ومتقی کے زیارت عتبات مقدس سے لوٹ کر آنے کو موجب خیر و برکت جانا اور اسے فال نیک قرار دیا۔

مجلسی بڑی انکساری کے ساتھ اپنے دوست عزیز کو اوپر لے آئے اور تھوڑی دیر تک خیر مقدم واحترام ومحبت کا اظہار کرکے چلے گئے واپس آئے تو گلاب کی بوتل لئے ہوئے اسے اخوند خراسانی کے ہاتھوں پر چھڑکا اور پھر باہر نکل گئے اب جو آئے تو ایک نومولود کو گود میں لئے ہوئے تھے بچےؑ کو آخوند خراسانی کی آغوش

میں ڈال کر کہا کہ یہ نونہال آج ہی دنیا میں آیا ہے ۔ [۱] میری استدعا ہے کہ آپ اس کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام کے مبلغین و مروجین میں قرار دے آخوند نے بچے کیلئے دعا کی اس کے بعد وہ خواب بیان کیا جو انہوں نے زیارتوں سے پلٹتے وقت دیکھا تھا ۔ [۲] اور سفارش کی کہ اس بچہ کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ ہونے پائے کیونکہ اس کی پیشانی پر جو نور دمک رہا ہے وہ وہی نور ہے جو پیغمبر اکرمؐ وائمہ اطہار علیہم السلام کی دعا سے ظہور میں آیا ہے ۔

یہ خواب سن کر اور تعبیر کو حقیقت کے روپ میں دیکھ کر بچے سے، محمد تقی مجلسی کی محبت اور بڑھ گئی انہوں نے اپنے دوست کے خواب کو ائمہ اطہارؑ کے مرقد مطہر سے اپنے لئے لائی ہوئی بہترین سوغات سمجھا،

---

[۱] علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ، کی ولادت رمضان المبارک سن ایک ہزار سینتس، " ۱۰۳۷ ھ " ہجری میں ہوئی جو ابجدی اعداد میں جملہ " جامع کتاب بحار الانوار " کے مساوی ہے گویا ان کی خلقت اپنے اسی عظیم مقصد و ہدف کے لئے ہوئی تھی " ترجمہ ریحانۃ الادب ج ۵ ص ۱۹۶ "

آغوش زہد میں

پہلی دلنشین آواز جس نے اس بچے کو باہر کی دنیا سے آشنا کیا وہ اذان و اقامت کی صدا تھی، اس کی مادر گرامی کا مہر و محبت سے پر دامن (جو صدرالدین محمد عاشوری کی دختر)[۴] جو خود ہی علم و فضیلت کے خانوادۂ میں پلی بڑھی تھیں اس کے درس کی پہلی جماعت ٹھہرا، والد نامدار کو خاندان عصمت و طہارت سے جو عشق و تعلق تھا، اس نے بچے کا نام محمد باقر رکھنے پر اکسایا، انہوں نے بچے کی ماں کو ہدایت کی کہ اسے پاکی و طہارت کے ساتھ دودھ پلائے[۵]

محمد باقر مجالس عزائے اہلبیتؑ و ماتم حسینؑ کے ماحول میں اپنی ماں کی چھاتی سے دودھ پیتے تھے، ایسا دودھ جو اشک عزائے اہلبیتؑ کے ہمراہ انھیں دیا جاتا تھا، اس عمل نے ان کی سرشت میں محبت اہلبیتؑ کو گھول دیا اور ان کے دل میں حضرت علیؑ کے خانوادۂ عنبریں کے عشق نے جگہ بنالی وہ اپنی ماں کے آغوش میں ورق سادہ یا لوح سفید جیسے تھے، جس پر پہلی بار عفت و پاکدامنی کے قلم سے ولایت و تعبد کی نورانی تحریر جلوہ گر ہو رہی تھی۔ آنے والے کل میں اس ماں کے ہاتھ کی جنبش و حرکت سے گہوارے میں اس کی نشوونما ہوتی رہی اور قرآن کی دلنشین آواز سے اس کی شخصیت کی تشکیل ہونے لگی، شیر خواری کے دوران اسے پاک و عابدہ و زاہدہ ماں کا دامن ملا اس کے بعد عالم فاضل باپ کی سرپرستی پائی[۶]

یہی نہیں بلکہ محمد باقر مسائل دینی سے آگاہ ایسی عابدہ عورتوں کی گود اور حلقہ

میں رہے جنہوں نے اپنے زمانے کے بزرگوں سے فضیلت کا حصول کیا تھا،

ان کی بہن آمنہ بیگم ایک با فضل و پارسا خاتون تھیں جن کا شمار نوابغ روزگار میں ہوتا تھا، وہ علم و دانش اور فقہ کے اصول و مبانی پر اس قدر عبور رکھتی تھیں کہ ان کے شوہر "ملا صالح مازندرانی" جو اپنے عہد کے صف اول کے علماء و مدرسین میں گنے جاتے تھے ان سے علامہ کی "قواعد" [۱] کے مشکل مسائل دریافت کرتے تھے اور وہ انھیں حل کیا کرتی تھیں [۲] ان کی دادی جان کی قناعت، سادگی، زہد و پارسائی زبانزد خاص و عام تھی، اور سبھی ان کا احترام کرتے تھے،

ایک بار ملا محمد باقر مجلسی (رہ)، کے دادا ملا مقصود علی[۲] کو ایک سفر پر جانا پڑا وطن سے نکلنے سے پہلے وہ اپنے دونوں بیٹوں، مجلسی کے والد و چچا کو علامہ بزرگ ملا عبداللہ شوشتری کے پاس لے گئے تاکہ ان کی غیر موجودگی میں بچے ان بزرگوار سے استفادہ علمی کرتے رہیں،

استاد شوشتری کے پاس قیام کے دوران عید کا دن آیا، استاد نے تین تومان مجلسیؒ کے والد کو دیا تاکہ اپنی ضرورت پوری کریں مگر انھوں نے استاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

میں اپنی ماں کی اجازت حاصل کئے بغیر اسے خرچ نہیں کر سکتا،

۱۔ کتاب "قواعد الاحکام" جو علامہ کی قواعد کے نام سے مشہور ہے فقہ کا ایک دورہ ہے "باب طہارت سے باب دیات تک" جس کو علامہ حلیؒ نے تحریر فرمایا؛

جب گھر پہونچے اور ماں سے اجازت چاہی تو محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ کی دادی نے بیٹے سے کہا کہ تمہارے باپ کی کل آمدنی ۱۴ غازبیگی [۱] "سکہ رائج الوقت" ہے اور ہم نے اس رقم میں زندگی بسر کرنے کی عادت ڈال لی ہے اگر ہم اس کو بدل دیں گے تو پھر مجبور ہوں گے کہ اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے تمہارے استاد ملا عبداللہ شوشتری یا ان کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں جو میرے لئے ناپسندیدہ بات ہے جب ملا محمد تقی مجلسی رح نے رقم اپنے استاد کو لوٹائی اور اس کا سبب بیان کیا تو ملا عبداللہ ان کی ماں کے فضل و قناعت سے بہت خوش ہوئے اور محمد باقر کی دادی کے حق میں دعا فرمائی [۲]

گھر ہائے مجلس آراء

محمد باقر ایسی جگہ سانس لے رہے تھے اور ایسے ماحول میں پرورش پا رہے تھے جو معرفت و فقاہت کے پھولوں سے مہک رہا تھا، ایسا گھر جہاں کے ساکن تشیع کی دنیا میں پانچویں صدی ہجری سے مشہور و معروف تھے اور اس خاندان کے بیشتر افراد دسویں و گیارہویں صدی میں اپنے زمانے کے دانشمندوں میں شمار کئے

---

[۱] غازبگی، دور صفویہ میں رائج سکوں میں سے ایک سکہ، شاروں و کاردی کہ دونوں دور صفویہ میں ایران تانبے کے سکے کے عنوان سے جس کی قیمت یک درہم شاہی بتائی جاتی ہے "فرہنگ تاریخی سنجش ہا وارزشہا، ص ۲۰۷"

جاتے تھے ۹ کشادہ چہرہ، متبسم جبین اور مہمان نوازی اس خاندان کے فضائل میں تھی، مومنین کی مجلس وجماعت میں ہر ایک فرد خاندان مثل گوہر بے بہا کے تھا انکا وجود اس کی رونق دوبالا کردیتا تھا،

ملا محمد باقر مجلسیؒ کے دادا جان " ملا مقصود " ۱۰ متقی وپرہیزگار عالم اور مذہب تشیع کے مروجین میں تھے، انہوں نے اپنی شیرینی گفتار اور خوبصورت اشعار کے باعث محافل ومجالس میں " مجلسی " کا لقب حاصل کرلیا تھا ۱۱ اور باپ " ملا محمد تقی مجلسی " زہد وپارسائی میں ایسے تھے کہ لوگ انھیں مقدس ہستی تسلیم کئے ہوئے تھے ان کے عظیم شاگردوں میں سے ایک شیخ بہائیؒ تھے جو علوم اسلامی کے تعلق سے اپنے عہد کے یگانہ روزگار عالم تھے ۱۲ ان کی تالیفات سے ان کے متبحر علمی وخدمت دین کا حال کھلتا ہے ۱۳

---

۱۱ مجلسی اصفہانی محتشم کاشانی کے شاگردوں میں سے ہیں جنہوں نے گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اور دکن میں وفات پائی، احتمالاً وہی ملا مقصود علامہ مجلسیؒ کے دادا تھے۔

الذریعہ ج ۹، جزء ۳، ص ۹۶۶، صاحب ریحانۃ الادب نے اس شعر کو ان سے منسوب کیا ہے، در جہاں ہر جا بلای بود از مادر گذشت، عینک تیرہ کوچوں سایہ دردنبال ماست

۱۳ مولیٰ محمد تقی مجلسی کی تالیفات ۔

① احیاء الاحادیث فی شرح تہذیب الحدیث

② الاربعون حدیثا

گہوارہ میں ستارہ

کبھی کبھی خدا کے بندے دنیا کی ہا و ہُو اور شور و تلاطم کے درمیان دعا کے سجّادے پر بیٹھ کر خود کو ایسا محسوس کرتے ہیں : جیسے وہ کسی ننھی منّی کشتی پر آرام سے بیٹھے ہوں اور ذکرالٰہی و عبادت کی نسیم انھیں دوسری دنیا میں لے جا رہی ہو . بادلوں کو چیرتی ہوئی وہ کشتی لطافت و خوبصورتی کی طرف کھنچی چلی جاتی ہے ،

محمد باقرؔ کے والد جو صاحب کرامات اور بلند پایہ عارف تھے اکثر و بیشتر ہمیشہ صحیح و روحانی خواب دیکھتے ۱۲ اور اسے ربانی الہام سمجھتے تھے خود انہی کا بیان ہے کہ ...

ایک رات تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اس وقت جو بھی دعا کروں گا مستجاب ہوگی

---

③ حاشیہ صحیفہ سجادیہ ،

④ حاشیہ نقد الرجال

⑤ حدیقۃ المتقین فی معرفت احکام الدین لارتقاء معارج الیقین ،

⑥ روضۃ المتقین " شرح عربی من لایحضر الفقیہ "

⑦ شرح زیارت جامعہ ، ⑧ شرح صحیفہ سجادیہ عربی ، ⑨ شرح صحیفہ سجادیہ فارسی ، ⑩ لوامع صاحبقرانی اسکے علاوہ افعال حج و رضاع و مقادیر و دیگر موضوعات متفرقہ پر رسائل بھی ہیں ،

مگر ساتھ ہی اس فکر میں بھی پڑ گیا کہ دنیاوی امور کے لئے دعا کروں یا آخرت کے بارے میں؟

اسی وقت گہوارے سے محمد باقر کی صدائے گریہ بلند ہوئی، تو میں نے فوراً بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھا دیا، اور کہا:

خدایا بحق محمدؐ و آل محمدؐ اس بچے کو احکام سید الانبیاء کا ناشر و دین کا مروج قرار دے اور اسے اپنی تمام توفیقات سے بہرہ ور فرما ۱۳

جو دلوں کو فتح کر لے

والد ماجد کی خندہ پیشانی، اور ہر کس و ناکس کے لئے ان کے دروازے کا کھلا رہنا لوگوں کو حوصلہ دیتا تھا کہ ان کے پاس جا کر فیضیاب ہوں اپنے سوالات و مشکلات کو ان بزرگوار کے سامنے رکھیں اور ان کی مسیحا نفسی سے حیات تازہ پائیں، غلط و صحیح میں امتیاز کر سکیں،

محمد باقر زیادہ تر اپنے والد کے پاس ہی رہتے تھے مطالعہ و درس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی مشکلات و ضروری مسائل وان کی ذہنیت سے واقفیت حاصل کرتے تھے، اور والد کے دیئے ہوئے جوابات کو اپنے مضبوط حافظے میں رکھتے جاتے تھے وہ خود کہتے ہیں!

مجھے یاد ہے کہ ایک دن کوئی شخص ہانپتا کانپتا، خوفزدہ حالت میں میرے والد کے پاس آیا اور کہا کہ کل رات میں نے خواب میں ایک سفید

شیر دیکھا جس کی گردن میں کالا ناگ لپٹا ہوا تھا، دونوں نے مجھ پر حملہ کیا وہ مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے،

میرے باپ نے کہا کہ کیا کل رات تم نے پنیر اور انار کا رس استعمال کیا تھا اس آدمی نے حامی بھری،

تو فرمایا کہ تم کو کچھ نہیں ہوگا تیرا خواب انہی دونوں چیزوں کا اثر ہے جو تو نے کھائی تھیں،

ان کے والد نے اپنی تمام عمر ریاضت مجاہدہ نفس وتہذیب اخلاق وعبادت وترویج حدیث، اور لوگوں کی حاجت روائی اور ان کی راہنمائی میں گذار دی [۱۵]،

ان کی بلند ہمتی سے شیعہ شہروں میں احادیث اہل بیت[ع] نے رواج پایا اور ان کے نور ہدایت سے بہت سے گروہ فیضیاب ہوئے لیکن وہ ان لوگوں میں نہ تھے جو صرف قلم وبیان تک محدود رہتے ہیں اور اپنے آپ کو کتاب خانہ ومسجد میں محصور کر لیتے ہیں بلکہ وہ عوام کے درمیان جاتے اور بڑی تواضع وانکساری سے ان کی بات سنتے جو مختلف نظریات کی حامل اور باہم کافی متفاوت ہوتی تھیں، نیز جب بھی فرصت ملتی ان کی محافل و مجالس میں شرکت بھی فرماتے تھے،

عقائد شیعہ کا دفاع اور لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے، ننھے منّے محمد باقر نے اپنے لئے اس کمسنی میں والد کی سرگرمیوں، حرکات وسکنات کو نمونہ اور تختہ مشق بنایا اور معاشرہ میں قدم رکھنے اور زمانے کی اونچ نیچ کا سامنا کرنے سے پہلے ہی انہوں نے عوام اور ان کے مسائل سے نمٹنے کے لئے صحیح راستہ دریافت کرلیا،

مسیحانفسی

وہ خود بیان کرتے ہیں کہ دن میرے والد کے ایک دوست نے آکر اپنے پڑوسی کی شکایت کی اور کہا کہ یہ شخص پوری ٹولی کے ساتھ رات سے صبح تک شراب نوشی اور لہو ولعب میں مشغول رہتا ہے ، ملا محمد تقی مجلسیؒ نے اس سے کہا کہ ایسا کرو کہ آج رات کو اپنے یہاں اس پڑوسی اور اس کے ہمراہیوں کو کھانے کی دعوت دے دو ، میں بھی آؤں گا۔

ملا محمد تقیؒ کے دوست نے بلا چوں وچرا یہ مشورہ مان لیا اور ان لوگوں کو ڈھونڈنے چلا گیا ،

ان کے سردار نے دعوت کو قبول کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ : ایسا کیا ہو گیا کہ تم ہمارے گردہ میں آگئے ؟ میزبان کچھ نہ بولا ! اور گھر لوٹ آیا ، کھانے کا بندوبست کیا ،

جب رات ہوگئ تو ملا محمد تقیؒ دیگر مہمانوں سے پہلے آکے اپنی جگہ پر بیٹھ گئے ، جب مہمان لوگ گھر میں داخل ہوئے اور ان کی نگاہ ملا محمد تقی پر پڑی تو تعجب میں ڈوب گئے ۔

ان کے سردار نے ایک روحانی کی موجودگی کو عیش دنیاؤ نوش میں مانع جانتے ہوئے کوشش کی کہ کسی حیلے بہانے سے ان کو ہٹا دے اس لئے محمد تقی سے مخاطب ہو کر کہا: کہ یہ بتاؤ کہ :

تمہاری عادت اچھی ہے یا ہم جو کرتے ہیں وہ بہتر ہے ،،

ملا محمد تقی مجلسی نے نہایت میٹھے لہجے میں کہا : کہ !

یہ اچھی بات ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی عادتوں کو بیان کرے !

اسکے بعد فیصلہ کیا جائیگا۔

سردار ! ان کے نرم لہجے ومہذب انداز گفتگو سے خوش ہوا کیونکہ اس نے

تو سخت لہجہ اختیار کیا تھا، وہ بولا کہ یہ اچھی بات ہے پھر چپ ہوگیا، اور چند لحظہ بعد بولا

کہ : ہمارے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ جب کسی کا نمک کھا لیتے ہیں تو اس سے

غدّاری وخیانت نہیں کرتے،

تب ملا محمد تقی نے مناسب موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ :

تم نے جو بات کہی وہ مجھے تسلیم نہیں ہے،

لیکن سردار نے کہا یہ تو ہمارے گروہ کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے،

ملا محمد تقی مجلسیؒ نے اپنی نورانی نظروں سے پہلے انھیں ٹٹولا اور خاموش ہوگئے

پھر اپنی عیسیٰ نفسی کو کام میں لاتے ہوئے گویا ہوئے،

تم نے اب تک اللہ کا نمک کھایا ہے،؟

ملا محمد تقی مجلسی کے اس جملے نے ان کے غرور و بغاوت کی دہکتی آگ پر ٹھنڈے

پانی کا کام کیا، ان کا سر جھک گیا اور پوری مجلس پر خاموشی طاری ہوگئی، سب کی پیشانی پر خجالت

کا رنگ جھلکنے لگا، ہر ایک کی نظریں نیچی ہوگئیں اور بلا کچھ کہے سنے ایک ایک کر کے سبھی

گھر سے باہر چلے گئے،

بیچارہ میزبان یہ سب دیکھ رہا تھا اس کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی،

ملا محمد تقی کے پاس آکر بولا :

آقا : یہ تو بدتر ہوگیا ،

ملاّ محمد تقی نے کہا صبر کرو ، دیکھو آگے کیا ہوتا ہے ، اور چند لمحوں کے بعد ملاّ محمد تقی مجلسیؒ بھی اپنے گھر لوٹ آئے ۔

صبح تڑکے کسی نے ملاّ محمد تقی کا دروازہ کھٹکھٹایا جب انہوں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ رات والی ٹولی کا سردار کھڑا ہوا ہے ، اس نے فوراً ملا محمد تقی مجلسیؒ کو سلام کیا اور کہا :

کہ کل رات آپ کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا ، میں نے غسل کیا اور توبہ کی اب آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ مجھے دینی مسائل کی تعلیم دیں ۔

ملا محمد تقی مجلسیؒ مسکرائے ، کشادہ روئی سے اس کا استقبال کیا اور اس کی خاطر تواضع فرمائی [۱۶] ،

آئینۂ پدر

صبح کو اذان کی صدا و تلاوت قرآن کی آواز اس بچے کو خواب سے بیدار کرتی تھی ، اس کے اردگرد جو بھی وسائل روزانہ نظر آتے تھے سب ہی میں بوئے صداقت و پاکبازی تھی ، وہ کتابوں کے اوراق الٹتا ، اپنی ننھی ننھی انگلیوں سے قلم پکڑتا اور کچھ کلمات لکھتا رہتا ، ایسا کہ تم کہو گے کہ وہ ایک عظیم کام کے لئے بے تابی کا اظہار کرتا تھا ،

درس و بحث کا سلسلہ اپنے والد کے حضور میں چار سال کی عمر میں شروع کیا [۱۷]

اس عمر میں وہ خدا کی شناخت رکھتا تھا، دوزخ و جنّت کے مفہوم سے واقف تھا
نماز شب پڑھتا تھا، اور نماز صبح کو با جماعت ادا کرتا تھا، اور اپنے ہم سن بچوں کو اکثر
ان آیات و احادیث کے حوالہ سے نصیحت کرتا تھا جو اس نے اپنے باپ سے سیکھی
تھیں ۱۸؎ اس کے دو بڑے بھائی ملّا عزیز اللہ ؎ و ملا عبداللہ ؎ کی کوشش و محنت
بھی اس میں شامل تھی کیونکہ اس سن وسال میں بھی اس بچّے کی پیشانی پر فضل وعلم کے آثار
دکھائی دے رہے تھے، اسی طرح گھر میں اس کے عالم و فاضل بہنوئیوں خصوصًا
ملّا صالح مازندرانی ؎ اور بہن آمنہ بیگم کی آمد و رفت یہ سب اس کی شخصیت کی تشکیل

؎ ملاعزیز اللہ علاّمہ کے بڑے بھائی تھے، والد کی وفات کے چار سال بعد رحلت کی، حاشیہ تہذیب شیخ طوسی و حاشیہ من لایحضر الفقیہ ان کی تالیفات میں سے ہیں،

؎ ملا عبداللہ علامہ کے دوسرے بھائی اپنے زمانے کے متبحرین میں سے تھے انہوں نے ۱۱۳۴ھ میں ہندوستان میں وفات پائی ان کے آثار میں اپنے والد کی کتاب حدیقۃ المتقین پر حاشیہ ہے جس سے ان کا فضل وکمال و تبحر علمی ظاہر ہوتا ہے

؎ ملّا محمد تقی مجلسی علاوہ تین بیٹوں کہ جن میں سب سے چھوٹے " محمد باقر " تھے چار بیٹیاں بھی رکھتے تھے،

دختر اول، آمنہ بیگم زوجہ علامہ ملا صالح مازندرانی (شارح کافی)،

دختر دوم، زوجہ علامہ فاضل ملا محمد علی استر آبادی،

دختر سوم، ہمسر محقق وحید شیروانی معروف بہ ملا میرزا، صاحب حواشی بر معالم،

دختر چہارم، ہمسر میرزا کمال الدین فسوی (شارح کتاب شافیہ)،

شامل تھیں، لیکن محمد باقر کی تربیت وفکری ارتقاء درشد کا بھاری بوجھ ان کے والد کے شانے پر تھا، جو مسجد اعظم اصفہان کی امامت جمعہ کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے تھے ۱۸

کون باپ؟

پہلا شخص جس نے صفوی حکومت کے قیام کے بعد شیعہ احادیث کو نشر کرنا شروع کیا" ۱۹

اور شیعہ احادیث کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا، اہلبیت ع کے کلام سے محبت کے تخم اور تشیع کے قیمتی ورثہ کی حفاظت کی لگن نے اسی زمانے میں محمد باقر کے دل میں پھولنا پھلنا شروع کر دیا اور ان کے مستقبل کے طریقہ کار پر اس کی چھاپ بیٹھ گئی،

مشرق کا نگینہ

دریائے زاینده رواں میں ہے نہروں اور نالوں سے گزرتا ہوا باغ وباغیچہ کو حیات تازہ بخش رہا ہے ٹھنڈی ہوا درخت کے پتوں کی دلجوئی کر رہی ہے،

جب وہ دو شاخوں کے درمیان سے گذرتی ہے تو ان طلاب کے حق میں جو دوسروں کے ساتھ نماز صبح کے لئے مسجد جا رہے ہوتے ہیں، دلآویز موسیقی کا کام کرتی ہے،

جب موذنوں کی صدائے اذان شہر کی آنکھوں سے نیند اڑا دیتی ہے، اسی وقت

---

۱۸ آپ میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) کی وفات کے دو سال بعد مولی محمد تقی مجلسی امامت جمعہ پر منصوب ہوئے اس وقت محمد باقر کی عمر ۵ سال تھی،

دریائے زایندہ لوگوں کو روح تازہ بخشتا ہے ، صبح کا اجالا پھیلتے ہی دو کانوں کے در کھل جاتے ہیں ، دھیرے دھیرے آفتاب پہاڑوں کے عقب سے بلند ہوتا اور اصفہان نصف جہاں کے خوبصورت چہرے سے پردہ سرکاتا ہے وہاں پل ، محلات منارے سب کو نمایاں کردیتا ہے ،

کاشی کاری والے میناروں اور گنبدوں پر آفتاب کی چمک شہر اصفہان کو مشرق کی انگشتری کا نگینہ بنا دیتی ہے ،

بازاروں ، گلیوں میں صنعت کاروں اور ہنرمندوں کے اوزاروں کی صدائیں ان طلاب کے قدموں کی آوازیں ، جو خوش وخرم اپنے استاد کے درس میں شرکت کے لیئے جاتے ہوتے ہیں ، گم ہو جاتی ہیں ، طلاب اپنے آپ میں کھوئے ہوئے روشن قندیلوں اور ریشم کے پردوں سے بے توجہ گذر جاتے ہیں اور مسائل علمی میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں ، علم کا سجادۂ حسین بنتے ہیں کبھی کبھی سلام و پیام ان کے افکار کے سلسلے کو توڑ دیتا ہے اور وہ ہاتھ میں تسبیح لے لیتے ہیں اور ذکر و دعا سے اپنی متاع گم شدہ کو تلاش کرتے ہیں ،

اسی رفت و آمد میں محمد باقر کا معصوم چہرہ جو ابھی نوخیز نوجوان ہے لوگوں کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہی متوجہ کرلیتا ہے جس نے اب اپنے باپ کی درسگاہ ترک کرکے حوزۂ علمیہ کے سمندر کا ارادہ کرلیا تھا ،

نور کے تعاقب میں

دن رات گذر رہے ہیں ، ایک فصل چلی جاتی ہے تو دوسری آجاتی ہے لیکن اسے نہ تو سردی نہ گرمی نہ وقت کی نیچ اونچ نہ ہی زمانہ کے حوادث ، اس کی منتخب کردہ راہ سے باز رکھ پاتے ہیں، چنانچہ اس کے علم و معرفت کا شہرہ علم کی جستجو کرنے والوں میں بڑھتا گیا اور کوچہ و بازار کے لوگوں کی زبان پر ان کا نام چڑھ گیا ،

وہ خود موٹی موٹی کتابیں بغل میں دبائے متانت و وقار کے ساتھ ایک استاد کے پاس سے دوسرے استاد کے محضر میں جاتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ اہلبیت ؑ کے عشاق کی دعائے خیر ہوتی تھی۔

انہوں نے تھوڑی ہی مدت میں ایک کے بعد دوسرے مراحل علم کو طے کرلیا اس طرح کہ جوانی ہی میں ان کے چہرہ سے ذہانت کی نورانیت مترشح ہوتی تھی ، اور جو بھی ان کو دیکھتا تھا ان کے روشن مستقبل کی پیش بینی کرتا تھا، [۲۰]

انکی فطانت وذہانت کا حال یہ تھا کہ چودہ سال کی عمر میں اسلام کے عظیم فلسفی ملّا صدرا سے اجازۂ روایت حاصل کرلیا [۲۱] ، اور پھر اپنے دیگر اساتذہ جیسے علامہ حسن علی شوشتری ، امیر محمد مومن استرآبادی ، میرزائے جزائری ، شیخ حر عاملی ، ملا محسن استرآبادی ملا محسن فیض کاشانی ، ملا صالح مازندرانی ، کی مجلس درس میں زانوئے ادب تہہ کرکے علم و معرفت کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی ، [۲۲]

---

[۲۲] ملا صالح مازندرانی بارہا کہتے تھے کہ میں خدا کی طرف سے طلاب پر حجت ہوں کیونکہ مجھ سے زیادہ غریب و ←

علم کی تشنگی نے ان کا صبر و قرار چھین لیا تھا حتی کہ نامور اساتذہ کی مجلس درس بھی نا قابل رفع تشنگی کو دور نہ کر پاتی تھی ، ہر حجرہ و مدرسہ کے ہر کونے میں ، بلکہ جہاں بھی کسی صاحب نظر و مجتہد کو پا جاتے تھے اخلاص و تواضع کامل کے ساتھ اسکے شاگرد بن جاتے تھے اس کوشش اور انتھک لگن کے صدقہ میں انھیں اکیس[۲۱] سے زائد استاد ملے [۲۲] اور ان کے مختلف افکار و عقائد سے انہوں نے استفادہ کیا ساتھ ہی ان کی نظروں میں محترم و معزز بھی ہوئے اس دوران بھی وہ دیگر جوان طلبہ کی طرح زیادہ تر علم و تقویٰ کا ذخیرہ کرنے میں لگے رہے تا کہ بعد میں اپنے نظریہ کا اظہار کر سکیں ،

منبر پر آفتاب

زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ اس نے صرف و نحو ، معانی و بیان ، و اصول و فقہ و کلام جیسے تمام علوم حاصل کر لئے ۔

علم آموزی کے تعلق سے وہ نہ بجھنے والی پیاس رکھتا تھا ، اگرچہ اس نے عنفوان شباب ہی میں حوزہ علمیہ کے صف اول کے اساتذہ میں جگہ بنالی تھی ، منبر پر جا کر ہر درس کو اپنے خوبصورت انداز میں دلیل و برہان کے ساتھ پڑھتا تا کہ شاگردوں کو گمان ہو جاتا کہ استاد

→

و فقیر نہیں تھا ، مدتوں بعد میں نے چراغ جلانے کی ہمت پیدا کی سب سے زیادہ کم حافظہ بھی تھا کبھی کبھی تو میں اپنے گھر کا راستہ بھول جاتا تھا ۔ شرح اصول کافی از ملا صالح مازندرانی ۔ بہترین شرحوں میں سے ایک ہے ان کی دیگر تالیفات میں شرح من لایحضرہ الفقیہ ، شرح معالم ، حاشیہ لمعہ اور حاشیہ وجیزہ شیخ بھائی ہے ۔

نے اس فن میں اپنی پوری عمر گذار دی ہے،

اس کا مجتہد پرور درس دوسرے شہروں کے سیکڑوں طلبہ کو حوزۂ علمیہ اصفہان کی طرف کھینچ لاتا تھا،

وہ اصفہان جو اس زمانے میں تشیع کا مرکز مانا جاتا تھا، جوان طلبہ اصفہان آتے ہی ان کے درس کا سراغ لگانے میں مشغول ہو جاتے تھے،

وہ مدرسہ ملا عبد اللہ میں نماز جماعت پڑھاتے اور درس دیتے تھے مگر اپنے والد کے بعد مسجد جامع میں نماز و درس میں مشغول ہو گئے [۲۳]

جامع مسجد ان جوان طلاب سے پُر ہو جاتی تھی جو اس کے نور و علم معرفت سے اپنے دلوں کو جلا دینے کے متمنی ہوتے، ایسوں کی تعداد ہزار تک پہونچ جاتی تھی، [۲۵]

---

۲۵ ان کے شاگردوں کے درمیان نامور ہستیاں نظر آتی تھیں، از آنجملہ ① میر محمد حسین خاتون آبادی نوہ مجلسی صاحب کتاب حدائق المقربین، ② میر محمد صالح بن واسع، داماد علامہ،

③ شیخ محمد اردبیلی مولف کتاب معروف جامع الرواۃ در علم رجال،

④ مولی ابوالحسن شریف بن محمد طاہر عاملی نجفی شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام کے نانا،

⑤ شیخ محمد اکمل علامہ وحید بہبہانی کے والد۔ ⑥ مولی محمد رفیع گیلانی،

⑦ میرزا محمد شمری مولف تفسیر دقائق،

⑧ حاج محمد طاہر بن حاج مقصود علی اصفہانی،

⑨ شیخ سلیمان ماحوری بحرانی،

⑩ شیخ محمد بن یوسف نعیمی بلاذری،

سید نعمت اللہ جزائری بھی اسی زمانہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ حوزہ علمیہ اصفہان میں علوم دینی کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے تھے وہ فرماتے ہیں: کہ :

اگرچہ وہ جوان تھے مگر جملہ علوم میں اتنا نفوذ پیدا کر لیا تھا کہ ان کے زمانے کا کوئی عالم ان کے درجہ تک نہیں پہونچ سکا تھا[۲۴]

جب وہ مسجد جامع اصفہان میں موعظ کرتے تھے تو ان سے فصیح تر و خوش بیان واعظ ہماری نظر میں نہیں آتا تھا، وہی حدیث جسکا ہم رات میں مطالعہ کرتے صبح کو جب ان سے سنتے تو وہ اسے ایسے انداز میں بیان کرتے کہ لگتا جیسے ہم نے اسے پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا۔

ان کی تواضع و بزرگواری ایسی تھی کہ حوزہ کے بہت سے بزرگ صرف اپنی ارادت کے اظہار اور جوان طلاب کو علامہ مجلسی کی جلالت قدر بتانے کی خاطر ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے، مثلاً شیخ محمد فاضل اگرچہ خود مجلس درس و مباحثہ رکھتے تھے، علامہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے اور عملی طور پر طلاب کو انکساری کا سبق سکھاتے تھے خود علامہ کا یہ حال تھا کہ وہ شاگردوں سے کہتے تھے میں ان سے جو فائدہ اٹھاتا ہوں وہ زیادہ ہے اس فائدہ سے جو وہ مجھ سے اٹھاتے ہیں[۲۶]

فصل دوم

آخری درس

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی دلنشین آواز نے ان تمام طلباء کے ہمہمہ کو خاموشی میں بدل دیا جو مسجد میں علامہ سے فلسفہ کا درس لینے کے لئے جمع ہوئے تھے۔

علامہ ایک باریک بین و موشگاف فلسفی و صاحب نظر تھے درس و بحث میں ان کا شیوہ یہ تھا کہ صرف اپنے آپ پر انحصار کرتے تھے اس طرح کہ اولاً مختلف فرقوں اور مکاتب کا تعارف ان ہی کے دلائل کے ذریعہ شاگردوں سے کرتے اور پھر اپنے مستحکم استدلال و حسن کلام سے کام لے کر ان کے عقائد و افکار کو باطل کرتے تھے، ان کی مثال سر منبر ایک شمع فروزاں کی تھی جو جل رہی تھی اور طلاب کا عالم یہ تھا کہ پروانوں کی طرح ان سے نزدیک پہونچنے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کر رہے تھے،

ایک دن پیغمبرؐ و اہلبیت عصمت و طہارت "علیھم السلام"

پر صلوات بھیجنے کے بعد علامہ نے فرقہ دہریہ ؎ کا اپنے شاگردوں سے تعارف شروع کیا اور حسب عادت پہلے ان کے اپنے دلائل پیش کیئے، اب ان دلائل کو رد کرنا تھا کہ ناگہاں طلبہ کی بلند آواز نے ان کی بات کاٹ دی، نگاہیں آواز کی طرف لگ گئیں، استعجاب نے ہر شاگرد کے ذہن میں جگہ بنالی، طلبہ نے علامہ سے مخاطب ہوکر کہا کہ ان دلائل کے مطابق تو یہ فرقہ حق پر ہے؟ اور یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور دروازہ مسجد کی طرف چلے تاکہ مسجد سے باہر نکل جائیں، مسجد میں سناٹا چھا گیا اور نگاھیں استاد کے چہرے پر ٹک گئیں،

سب کے سب علامہ کے ردّ عمل کے انتظار میں تھے، علامہ نے بڑی نرم و پدرانہ شفقت والے لہجے میں کہا: ذرا ٹھہریئے اور ان کے دلائل کے جواب کو بھی سن لیجئے فیصلہ اس کے بعد ہی کریئے گا!

مگر شاگردوں نے علامہ کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے مجلس درس ترک کردی،

علامہ نے اس بے صلاحیتی پر سر جھکا لیا اور ہمیشہ کے لئے مجلس درس کو معطل کردیا۔[۲]

؎ فرقہ دہریہ یہ ایک مادیت پرست فلسفیوں کا گروہ تھا جو زمانے کے قدیم ہونے کے قائل تھے، شہرستانی کا کہنا ہے کہ دہریئے معقولات کے منکر ہیں اور سوائے محسوسات کے کچھ نہیں مانتے، مذہب دہریہ کو خداوند کے انکار اور مادہ کو اصل "باعث تخلیق دنیا" ماننے کی وجہ سے علماء اہل کتاب نے رد کردیا ہے،

"فرہنگ فرق اسلامی، ص ۱۵۹"

پرچم بندگی

اس واقعہ نے ان کے افکار بلند و پاک پر غم واندوہ کا غلاف چڑھا دیا، اس سے نجات و رہائی کیلئے وہ کسی روشنی کی تلاش میں تھے، سوچتے سوچتے خیال آیا کہ اگر طلاب فلسفیانہ مباحث میں بندگی و تعبد کے دروازے سے داخل نہیں ہوں گے تو لازمی طور پر تفکر کے دروازے سے ہوکر مسجد کے باہر چلے جائیں گے جیسا کہ ہوا، اور اگر وہ عشق اہلبیتؑ کے چشمہ کوثر سے سیراب ہوئے بغیر فلسفہ کے سمندر میں گھس پڑے تو نہ صرف یہ کہ خدا کے نزدیک نہیں ہوسکیں گے بلکہ اکثر انحراف وارتداد کی طرف نکل جائیں گے، انہوں نے اسکا تجربہ عنفوان شباب میں کیا تھا جبکہ طلاب روایات واحادیث پیش کرنے کے بجائے اپنے زیادہ اوقات عقلی مباحثہ میں صرف کرتے تھے، انہوں نے خود بھی محسوس کیا تھا اور بارہا اپنے اساتذہ خصوصًا والد بزرگوار وملا محسن فیض کاشانی سے سنا تھا ؎ لیکن یقین نہیں کرتے تھے مگر جب ایک دن خود اپنے درس میں اس کا تلخ مشاہدہ کرلیا تو سوچنے لگے کہ ایک ایسا قاموس ہونا چاہیئے جس سے طلاب علوم خصوصًا فلسفہ کے طلبہ تطبیق کرسکیں اور اگر

؎ مولیٰ محسن فیض کاشانی داماد ملا صدرا وصاحب کتاب وافی، محجۃ البیضا، تفسیر صافی، آپ اپنے عہد کے بزرگترین فلسفیوں میں شمار کئے جاتے تھے، آخر عمر میں طلاب کی احادیث وروایات کی جدائی کے خطرے کی طرف متوجہ ہوئے تو فلسفہ کو ترک کرکے اخبار واحادیث اہلبیتؑ کی طرف فکر کو موڑ دیا۔

ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ بھی حوزہ ہائے علمیہ کا چراغ آج ہی کی طرح روشن رہے تو چاہیئے کہ یہ تمام گفت و شنید، تفسیر و تدریس ایک مقام پر آکر ختم ہو جائے اور طلاب اپنے افکار کی بلندی پر مسرت کے ساتھ پرچم بندگی و تعبد کو نصب کردیں۔

بسوئے نور

چنانچہ علامہ مجلسیؒ نے اپنے استاد محسن فیض کے راستہ کو اپنالیا اور علوم عقلی کو چھوڑ کر طاقت و تعبد کی گرمی لئے ہوئے اس نور کی طرف دوڑ پڑے جو روایات و احادیث کی بلند چوٹی پر چمک رہا تھا،

آپ نے درس و بحث میں کتب اربع کو شامل کرنے کا اقدام کیا [۲۷] اور اصول کافی و تہذیب کی شرح لکھی چونکہ من لایحضرہ الفقیہ کی شرح والد ماجد کرچکے تھے اس لئے اسے چھوڑ دیا اور استبصار کی شرح کے لئے اپنے ایک شاگرد کو آمادہ کیا [۲۸]

علامہ نے ان طلاب میں روایات مطالعہ و تحقیق کا شوق بھڑکایا جو مدتوں سے اس دنیا سے دور وجدا ہو چکے تھے، اور کتب اربعہ کو حوادث روزگار سے محفوظ رکھنے اور

---

[۲۷] (۱) اصول کافی، نوشتہ ثقۃ الاسلام محمد یعقوب کلینی،

(۲) من لایحضرہ الفقیہ، نوشتہ شیخ صدوق،

(۳) تہذیب، نوشتہ شیخ طوسی،

(۴) استبصار، نوشتہ شیخ طوسی،

اسے آئندہ نسل کے حوالے کرنے کی غرض سے بغیر کسی کم وکاست وتحریف کے اعلان کیا کہ:
اگر طلاب میں ہر ایک کتب اربعہ کو لکھے تو اسے ایک انعام دیا جائیگا ۔
چنانچہ طلاب بڑے ذوق وشوق سے کتب اربعہ کو نقل کرنے میں لگ گئے اور اس کے نسخے کو علامہ کی خدمت میں پیش کرنے لگے ۔ اور علامہ اپنے قلم سے ان نسخوں کی پشت پر ان کے لئے اجازہ تحریر کرنے لگے ۔۲۹

طلاب واہل علم وروحانی افراد علامہ کے اس اجازہ کو جو کتاب کی پشت پر لکھا ہوتا تھا، اپنے لئے فخر ومباہات کا سرمایہ جانتے تھے اس لئے انہوں نے پہلے سے زیادہ ان نسخوں کے تحفظ میں کوشش شروع کردی تاکہ اسے بطور یادگار اپنی اولاد کو سونپ سکیں ،

محراب بحار الانوار

علامہ نے سوچا کہ صرف کتب اربعہ کی تدریس اور بعض دیگر کتب مثلاً ارشاد مفید، قواعد علامہ وصحیفہ سجادیہ کو سمجھنا و پڑھنا ہی ان کتب کو برباد و نابود ہونے سے بچا سکتا ہے ،
ان کو فکر تھی ان ہزاروں کتب شیعہ کی جسے غارت گروں اور دشمنوں نے جلا کر خاکستر کردیا تھا، نیز روایات کے سیکڑوں چھوٹے بڑے نسخے ومجلات جو حوادث روزگار سے محفوظ رہ گئے ہیں یا صندوقوں میں بند ہیں ،یا انھیں دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہونچا دیا گیا ہے ، اس کا تصور علامہ کے لئے بہت تکلیف دہ تھا ۔
دوسری طرف اہل سنن کا خشک تعصب تھا جو تشیع کے گراں بہا ذخیروں کی نابودی کے درپے تھا اس کے علاوہ شرق وغرب کی دو بڑی سنی حکومتوں کے ہاتھوں ایران

کی شیعہ صفوی حکومت کے سقوط و زوال کا خدشہ، پھر دربار و معاشرہ میں صوفیوں کا قوی نفوذ اور بہت سی روایات میں تحریف کرنے کا ان کا منصوبہ، کتب روایات و احادیث سے طلاب کی بے توجہی اس طرح کے کئی اہم وجوہ واسباب تھے. جو اہل بیتؑ کے آثار کو بیش از بیش معرض خطر نابودی ڈالے ہوئے تھے،

علامہ دل میں سوچتے تھے کہ اہلبیتؑ کے بکھرے ہوئے بیش بہا موتیوں کو اطراف واکناف سے جمع کیا جائے اور اسے ایک محراب بنام" بحارالانوار " کے قالب میں سجا دیا جائے تاکہ صرف طلاب ہی نہیں بلکہ تمام شیعہ اس محراب میں قبلۂ قلوب یعنی کلام اہلبیتؑ کی طرف نماز عشق کے لئے کھڑے ہو جایا کریں اور اس ذریعہ سے راستہ کو کنویں سے اور درست کو غلط سے متمائز کرسکیں تاکہ ہر زمانے میں ہر مکتب و مسلک والا اگر کسی موضوع و مطلب کے بارے میں کچھ جاننا چاہے تو قوم شیعہ " بحار "، کی حسین محراب کی طرف اشارہ کردے،

قلم نور

چنانچہ اللہ کا نام لے کر نوری قلم کو ہاتھ میں لیا اور اس کے مقدمہ میں یہ تحریر کیا:

> میں ابتدائے جوانی میں مختلف قسم کے علوم کی تحصیل کا حریص تھا اور ہر علم کو باندازہ کافی حاصل بھی کیا اس کے بعد میں نے ان علوم کے نتائج و آثار و انجام پر غور کیا، اس کے متلاشیوں کی نیت وغرض کو ٹٹولا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر ان علوم کو وحی والہام کے پاک و مصفّا چشمہ

سے نہ لیا جائے تو کوئی فائدہ نہ دیں گے اور اگر بزرگان دین سے حکمت حاصل نہ کی جائے تو وہ نجات و رستگاری کا ذریعہ نہیں بن سکیں گی۔ مطالعہ و باریک بینی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ تمام علوم قرآن کریم و اخبار اہلبیت ع رسالت یعنی علم الہٰی کے خزینہ داروں میں ہیں اس لئے ایک مدت تک اپنی عمر ضائع کرنے کے بعد میں نے جو کچھ حاصل کیا تھا اسے وہیں چھوڑ دیا اگرچہ وہ علوم ہمارے زمانے میں بہت رائج و عام تھے اس کے بعد میں نے ان علوم کی طرف توجہ دی جو میری آخرت کے لئے سود مند تھے، جب کہ اس کا بازار مندہ تھا بہر حال اس کے بعد میں نے پیشوایان پاک علیھم السلام کے اخبار و احادیث کی تحقیق اور بحث کو اپنا وظیفۂ زندگی قرار دے دیا۔[۳۰]

مقدمہ بحار الانوار

علامہ بحار الانوار کے مقدمہ میں لکھتے ہیں!

میں نے آغاز کار میں معروف و رائج کتب کا مطالعہ کیا اس کے بعد دوسری وہ کتابیں جو امتداد زمانہ یا دیگر مختلف اسباب سے متروک و مہجور ہو گئی تھیں ان کو ڈھونڈ نکالا، جہاں بھی حدیث کی کتاب کا سراغ ملتا اسے ہر قیمت پر حاصل کرتا تھا، مشرق و مغرب ہر جگہ تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ بہت سے نسخے جمع کر پایا، اس دینی فہم میں دینی برادروں کی ایک جماعت نے میری مدد کی اور وہ ہر شہر، ہر قصبہ نیز دور دراز

کے مقامات تک پہونچے اور خدا کے فضل سے لازم وضروری مصادر و ماخذ ہمارے پاس آگئے ... اس کے بعد میں نسخوں کی تصحیح میں مشغول ہوگیا، پھر اس کی نقول تیار کی گئیں اور اسی تصیح و تنقیح کتب کے دوران ان کے مواد و مطلب سے آشنا ہوا مگر کتب کی ترتیب و تنظیم کو مناسب پایا نہ تحقیق کرنے والوں کے لئے احادیث کی فصل و مختلف ابواب میں تقسیم ہی پائی، .... ——————

اس لئے میں نے ترتیب فہرست پر کمر ہمت باندھی جو ایسی ہو کہ ہر طرح سے دلچسپ وجاذب توجہ ہو .... —————— مگر ۱۰۷۰ھ میں اس فہرست کو ناتمام چھوڑ دیا بلکہ تمام کتابوں کی فہرست سازی سے ہاتھ کھینچ لیا، کیونکہ مقبولیت عامہ بھی نہیں نظر آئی دیگر یہ کہ معاشرہ کے سربراہوں کو بد عنوان وناپسندیدہ پایا ——————

مجھے خوف ہوا کہ کہیں میرے بعد تکثیر شدہ نسخے متروک ومہجور نہ ہو جائیں یا غارت گردں کی لائی ہوئی مصیبت میری محنت وزحمت پر پانی نہ پھیر دے اس لئے میں نے اپنا راستہ بھی بدل دیا خدا سے مدد مانگی اور کتاب بحار الانوار کو مرتب کیا —————— اس پر بار و ثمر کتاب میں تم کو ۴۸ علمی کتب کے ۳۰۰۰ ابواب ملیں گے جو ہزار ہا احادیث پر مشتمل ہیں تم اس کے ذریعے سے بہت سی علمی کتابوں سے واقف ہو گے جس کا اسلوب بالکل جدید ہے اور علمی پایہ بے سابقہ ہے لہٰذا اے میرے دینی بھائیو! جو دل میں اماموں کی ولایت اور زبان پر ان کی مدح وثنا

رکھتے ہو اس خوانِ نعمت کی طرف جلد آؤ اور اعتراف ویقین کے
ساتھ میری کتاب ہاتھوں ہاتھ لو اور کامل اعتماد کے ساتھ اسے پکڑو
اور ان لوگوں میں نہ ہو جاؤ کہ جو کسی بات کو زبان پر تو لاتے ہیں مگر ان
کے دل خالی ہوتے ہیں [۳۱]

باقرالعلوم

الغرض علامہ مجلسیؒ نے اپنے قلب کو اس دریا میں ڈبو دیا تھا جو سراسر نور تھا صبح کو آفتاب کی آنکھوں سے خواب چرا لیتے اور غروب کے سجادہ پر ذکر و دعا کے ساتھ نظارہ کرتے یعنی صبح صادق سے غروب تک تحریر میں موصوف رہتے، روشنائی ایک کے بعد دوسری ختم ہوتی جاتی، انگلیوں سے خون جھلکنے لگتا لیکن ان کا حال یہ تھا کہ امید کا پٹکا باندھ کر ہر خستگی و تکان کو خستہ کر دیتے، ان کی آنکھیں جلنے لگتی تھیں مگر ایک لحظہ بھی اہلبیتؑ سے چشم امید نہ ہٹتی تھی،

قال الباقرؑ و قال الصادقؑ نہ صرف یہ کہ ان کے جسم میں تھکاوٹ پیدا ہونے نہ دیتا بلکہ یہ کلمہ ان کی حیات زندگیٔ جاوید کا رمز بن گیا تھا کیونکہ اس کی مُہر کا نقش تھا، محمد باقر العلوم، [۳۲] اور باقرؑ و صادقؑ کی محبت ان کے دل پر نقش تھی، قلم کی حیثیت ان کے ہاتھ میں سوئی جیسی تھی اور روشنائی دھاگا تو کاغذ سفید کپڑوں جیسا تھا، جوان طلبہ کی سفیدیٔ قلب جس پر پہلی بار اس نے محبّت اہلبیتؑ کا نقش ثبت کیا تھا اور اسے حوزۂ علمیہ کی کشتی کا بادبان بنایا تھا تاکہ حوادث روزگار کے طوفان کی گزند سے بچا کر،

ساحل نجات تک پہونچادے، اس کے کلام کی شیرینی دنیا کے شور وغل والے سمندر کے درمیان میٹھے پانی کی نہر کی طرح پر کشش تھی، ایسی نہر جو عرغزار تک پہونچادیتی ہے اور تعبد و ولایت پر ختم ہوتی ہے،

وہ ہر چاندرات کو کپڑے بدل کر کسی ایک معصوم کے کلام کی تلاش میں نکل جاتے اور اسے کاغذ پر لکھ لیتے اور جب چودہویں کی رات لوگوں کو مسحور کرتی وہ کاغذ پر لکھے ہوئے چہاردہ معصومین ؑ کے کلام کو دیکھ کر بیچین ہو جاتے ان کا جسم لرزنے لگتا اور انھیں احساس ہوتا کہ امام ان کے پاس ہیں ان کو دلاسہ وامید دلا رہے ہیں اور مدد کر رہے ہیں،

بحار کا درجہ بہار کی نظر میں

عاشقوں کے دل کی بہار، تشیع خالص کے جویا ہمارے مرحوم امام خمینی رح چمنستان اہلبیت ؑ کے غزلخواں بلبلوں پر تہمت و افترا پردازی کی فصل خزاں میں کتاب بحار کو کس نظر سے دیکھتے ہیں سنئے!

کتاب بحار الانوار جو محدث عالی قدر و عالم بزرگوار محمد باقر مجلسی رہ کی تالیف ہے وہ تقریباً چار سو کتب و رسائل کا مجموعہ ہے درحقیقت وہ چھوٹا سا کتاب خانہ ہے جس کا نام رکھ دیا گیا ہے،

اس کتاب کے مولف و مرتب نے جب یہ دیکھا کہ مرور زمانہ سے حدیث کی بہت سی کتابیں نابود ہو رہی ہیں تو صحت کا التزام کئے بغیر سب کو ایک مجموعہ بنام "

بحار الانوار ،، میں قید کردیا ، انہوں نے کوئی علمی کتاب لکھنا نہیں چاہا ہے نہ یہ کہ اسلام کے قوانین کو اس میں یکجا کر دینا مطلوب ہے تاکہ درست و نا درست کو جدا کرکے اس کے بارے میں تحقیق کی جائے ، درحقیقت بحار جملہ اخبار کا خزانہ ہے جس کی نسبت پیشوایان اسلام کی طرف دی گئی ہے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط ، اس میں کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جیسے خود صاحب بحار درست نہیں جانتے تھے انہوں نے علمی کتاب لکھنا نہیں چاہا ہے کہ کوئی اعتراض کر سکے کہ کیوں ان کتابوں کو فراہم کیا ؟ پس ہر خبر و حدیث جو بحار میں ہے لازم نہیں کہ دینداروں کو یوں متوجہ کرے کہ یہ خلاف عقل یا خلاف حس ہے کیونکہ بے سبب اس خبر کو رد نہیں کیا جا سکتا جو ہمارے سلیقہ سے میل نہ کھاتی ہو بلکہ ہر روایت کی تحقیق ہونی چاہیئے اور علماء اصول نے جو میزان و کسوٹی معین کردی ہے اس پر اسے کسکر اس کے علمی ہونے یا نہ ہونے کا اعلان کرنا چاہیئے ۳۳

یکہ و تنہا بحار کے ساتھ

زمانے کی مخالف فضا اور دشمنان اہلبیت ع کے ہاتھوں قیمتی و بنیادی امہات الکتب اور ان کے مآخذ کی بربادی کے خطرے نے علامہ کو مجبور کیا کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ روایات و احادیث اہل بیت ع کی جمع آوری میں مشغول ہو جائیں ،

فرصت کی کمی اور کثیر مشاغل نے اتنا موقع نہ دیا کہ روایات کی تصحیح و تنقیح بھی کریں

چنانچہ اسی باعث انہوں نے مقدمہ بحار الانوار میں لکھا ہے کہ :

میں چاہتا ہوں کہ اگر موت مہلت دیدے اور فضل خدا مددگار ہو

تو ایک کامل شرح بحار الانوار کی لکھوں جو بہت سے ایسے مقاصد
و مطلب پر مشتمل ہو جن کا علماء کی تصنیفات میں ذکر نہیں ہوا ہے نیز
اہل عقل و دانش کے استفادہ کے لئے قلم کو اچھی طرح استعمال کروں [۳۴]

علامہ کی کتاب " مرآۃ العقول " جس میں انہوں نے بڑی محنت وکم مثال دقت نظر سے کام لے کر " کافی " کی روایات کی تحقیق کی ہے اور ہر حدیث کی صحت و درستی کا تجزیہ کیا ہے ، اس کے مطالعہ سے ہمیں بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ واقعاً علامہ تھے اور احادیث کی تحقیق ان کے لئے آسان و مرغوب ترین کاموں میں سے ہے لیکن اگر وہ بحار الانوار کی ایسی موشگافی و دقت نظر سے تحقیق کرتے تو یقیناً اس کے لئے بہت زیادہ وقت درکار ہوتا [۳۵]

خیال ہے کہ کتاب بحار الانوار کی تدوین میں علامہ کے کسی ایک شاگرد نے ان کی مدد نہیں کی نہ ہی بعد میں کسی نے دعوی کیا [۵] علامہ نے خود یکہ وتنہا قلم کو ہاتھ میں لیا اور تحقیق جمع آوری ، ترتیب روایات سب کچھ خود ہی کرتے رہے البتہ بعض مواقع پر انہوں نے خوشخط طلاب سے کام لیا وہ بھی صرف نقل و تحریر تک ہی محدود رہا [۳۶] لیکن تمام آیات و دعائیں ، ابواب کے عنوان ، سند روایات کو وہ خود تحریر کرتے تھے اور بعض روایات جو محتاج تشریح ہوتی تھیں ان کی شرح بھی لکھتے تھے بلکہ دعاؤں پر اعراب " زبر زیر پیش " لگانے کا کام بھی وہ خود کرتے تھے اسی لئے اس میں غلطیاں بہت کم پائی جاتی ہیں [۳۷]

---

[۵] جناب ریاض العلماء صاحب جامع الرواۃ صاحب امل الآمل حتی کہ سید نعمت اللہ جزائری جو خود علامہ کے شاگرد یا معاصر تھے کسی ایک نے بحار کی جمع آوری کے لئے ہیئت " بورڈ " کا ذکر نہیں کیا ہے ۔

علامہ کے تواضع واخلاص کا عالم یہ تھا کہ دوسروں کی معمولی وکمترین مدد و کوشش کا اظہار ضروری سمجھتے اور اس کا شکریہ ادا کرتے تھے،

علامہ مجلسیؒ بحار الانوار کی پچیسویں جلد میں لکھتے ہیں کہ :

میرے ایک شاگرد نے حال ہی میں چند کتابیں ڈھونڈھ نکالی ہیں اور مجھ کو اس کی اطلاع دی ہے [۳۷]

یہاں پر سوال یہ اٹھتا ہے کہ جو شخص اپنے شاگرد کے چھوٹے سے کام کی اتنی قدر کرتا ہے کہ اس کے تحریری اظہار میں بھی کراہت محسوس نہیں کرتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بحار الانوار کی تالیف میں ان افراد کی کلّی زحمات کا ذکر نہ کرے اور ان کا نام نہ لے،

علامہ کی پر برکت ونورانی عمر نے مہلت نہ دی کہ اس دریائے نور "بحار الانوار" کو دوبارہ پاک وصاف کر کے لکھ سکتے تو پھر اس دریا کی ایک ایک روایت کی تحقیق و جانچ کیا اور کیسے ہوتی چنانچہ ایسا ہوا کہ پندرہ جلدوں میں سے چند کے سوا علامہ کو کسی ایک کے صاف ونقل کرنے کی فرصت نہیں ملی اور ان کی وصیت کے مطابق ان کے ورثاء نے اپنے مقدور بھر کتابوں اور دیگر تحریروں کو صاف ونقل کیا وکرایا [۳۸]

---

[۳۷] گمان قوی ہے کہ وہ میرزا عبداللہ آفندی صاحب ریاض العلماء رہے ہوں گے،

[۳۸] اسی سبب سے بحار الانوار کے بعض نسخوں میں باہم تفاوت پایا جاتا ہے ۔

ماتھے کا تل "خال جبین"

باوجود اس کے کہ بیشتر ایام حیات میں علامہ بیماری کا شکار رہے اور آشوب چشم اور دیگر امراض ان کو تکلیف دیتے اور لکھنے پڑھنے سے باز رکھتے تھے ۳۹ لیکن ان میں سے کوئی بیماری انھیں اس راہ سے دور کر سکی جسکا انہوں نے انتخاب کیا تھا، نہ ان بلند مقاصد میں رکاوٹ بن سکی جسے انہوں نے دل میں بسا لیا تھا، وہ ان ایام میں بھی موعظ ونقل اخبار کرتے اور مسکراتے رہتے، ان کے اخلاق فاضلہ کی پیشانی پر تل کی طرح ان کا ہنس مکھ چہرہ بشاشت وشوخ طبعی تھی جو اسے اور دلکش بنا کر طلاب کے چہرے سے خستگی وتھکاوٹ کو پونچھ دیتی تھی اور ان کی امید بندھا دیتی تھی،

بطور مثال شاگردوں کو عاریتاً دی ہوئی کتابوں کو جب واپس لیتے تو کبھی کبھی ان کے صفحات میں روٹی کے ریزے پاتے اس لئے جب کسی اور شاگرد کو اپنی کتابیں امانتاً دیتے تو مذاقاً اس سے کہتے،

میاں دستر خوان تو ہے نا تمہارے پاس روٹی کھانے کے لئے ؟

شاگرد علامہ کے اس سوال پر تعجب کرتا تھا، علامہ متبسم انداز ہی میں بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے :

کہ مطلب یہ ہے کہ اگر نہ ہو تو تمہیں دستر خوان دیدوں تاکہ کتاب پر روٹی رکھ کر نہ کھاؤ تم پر کتاب کی حفاظت واحترام لازم ہے، اور دیکھو

کہیں ایسا نہ ہو کہ کتاب کو دھوپ میں چھوڑ دو یا اس سے کیڑے مکوڑے مارنے لگو ۔

وہ شاگردوں کو فعالیت کی نصیحت کرتے اور ساتھ ہی عوام کے ساتھ اچھے برتاؤ ، امر بالمعروف و نہی عن منکر کرنے کا طریقہ بھی سکھاتے تھے اور طلاب کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار کرتے رہتے ،

علامہ کا پدرانہ انداز طلاب کے لئے سب کچھ تھا، اور چونکہ علامہ ان سے ایسا پر لطف سلوک کرتے اس لئے طلاب ان سے بہت خوش رہتے اور ایسے استاد کی شاگردی پر فخر و مباہات کرتے تھے ،

استاد کا سایہ

حوزہ کے نظام میں اساتذہ جملہ شاگردوں کو ہمیشہ ایک آنکھ سے دیکھتے تھے اور ہر موقع پر عدالت و منصفی سے کام لیتے تھے ان میں کوئی درجہ بندی یا دو معیار روا نہیں رکھتے تھے لیکن بعض طلاّب کے شوق کی آگ سے اساتذہ پگھل جاتے اور ان پر علم و عرفان کے دریچے کھول دیتے اور ان کو نئے اور حسین افق کا نظارہ کراتے اور جب تک ان کا اپنا عرفان و علم جو ان میں چھپا ہوا ہوتا بڑھ نہ جاتا ، انھیں اپنے سے جدا نہیں کرتے ، ان کے شاگردوں میں نکتہ سنج ، تیز بیں ، و انتھک کوشش کرنے والوں میں سے ایک سید نعمت اللہ جزائری تھے جو اپنے دوستوں کے ساتھ حال ہی میں ان کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے اور فقر و تنگدستی کی حالت میں زندگی گذارتے تھے

انہوں نے جلد ہی علامہ کی توجہ کھینچ لی آپ نے ان کے دوستوں کا ماہانہ مقرر کر دیا اور سید جزائری کو اپنے گھر لے گئے اور اپنے پاس چار سال تک رکھا[۴۱]

سید کی ایسی تربیت کی کہ انھیں عالم جلیل اور پایہ کا مجتہد بنا دیا اور جب مرزا تقی دولت آبادی نے محلہ حمالہ میں مدرسہ قائم کیا تو وہاں انھیں مدرس مقرر کر دیا[۴۲]

سید جزائری نے استاد کے سایہ تلے علم و معرفت کی اتنی تحصیل کی کہ انہیں اخلاق و اطوار و علمی مطالب کے بیان میں استاد کا آئینہ مانا جانے لگا وہ مختلف مسائل کا بیان اس انداز سے کرتے کہ لگتا مجلسیؒ تقریر کر رہے ہیں،

علامہ کی طرح ان کا مسلک بھی معتدل تھا اور ہمیشہ دلیل و حقیقت کی پیروی کرتے تھے خواہ وہ اصولین کے مطابق ہو رہی ہو یا اخباریوں کی مساعد ہو[۴۳]،

تبسم میں رعب

سید کے ساتھ علامہ کے روابط و تعلقات استاد و شاگرد کے رشتہ سے گذر کر گہری دوستی میں تبدیل ہو گئے تھے، اس طرح کہ علامہ جہاں بھی جاتے اپنے ہمراہ سید کو بھی لے جاتے،

ایک دن علامہ اپنے کسی مرید و عقیدتمند کے مہمان تھے اور سید کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، میزبان نے ان کے لئے مرغ بریاں تیار کیا تھا علامہ کے احترام میں مرغ کی پلیٹ کو ان کے سامنے رکھ دیا کھاتے وقت چونکہ سید کا ہاتھ پلیٹ تک نہیں پہونچتا تھا اس لئے انہوں نے اسے اپنی طرف ذرا سا کھسکا لیا،

علامہ نے سید کی یہ حرکت دیکھتے ہی مزاحاً ان سے کہا کہ:

سیدنا!

مگر تم تو مردوں کے منتقل کرنے کو حرام جانتے ہو؟ [۵۳]

سید کہ پروردۂ استاد تھے علامہ کی طرف رخ کر کے بولے!

ٹھیک ہے مگر انھیں مقامات مقدسہ کی طرف منتقل کرنے میں

کوئی اشکال نہیں ہے [۴۴]،

روح برادری و بذلہ سنجی کے ساتھ استاد کے احترام پر نظام حوزہ ہای علمی ودینی قائم ومنحصر تھا اور یہی روح اپنے اپنے راستے پر ثابت قدمی سے رواں دواں رکھتی رہی ہے لیکن اعتدال سے تجاوز کسی حال میں نہیں کیا جاتا، شاگرد کتنے ہی بلند مقام علمی پر پہونچ جائے پھر بھی استاد کے مقابلے میں اپنے تئیں شاگرد ہی خیال کرتا تھا،

سید کہتے ہیں کہ باوجودیکہ علامہ نے مجھے اپنے شاگردوں میں منتخب کرلیا تھا اور میں شب و روز ان کے ساتھ رہتا تھا بلکہ راتوں کو ان کی مدد کی خاطر انہی کے کمرے میں سوتا بھی تھا اور وہ اضمحلال دور کرنے کی غرض سے میرے ساتھ ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے لیکن ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے جب بھی ان کے پاس جانا چاہتا تھا ان کی ہیبت وعظمت کی شدت میرے دل کو اس قدر تپاں کردیتی تھی کہ مجھے تھوڑی دیر دروازے کے پیچھے ٹھہرنا پڑتا تھا تاکہ میری حالت معمول پر آجائے [۴۵]

---

[۵۳] انتقال اموات مردوں کو ایک قبر سے دوسری قبر میں لے جانے کے مسئلہ پر فقہا میں اختلاف ہے کچھ اسے حرام اور بعض جائز جانتے ہیں،

فصل سوم

تاریخ کا دوراہہ

وہ عمر کی ۵۳ بہاریں دیکھ چکے تھے [۱] علم و معرفت سے مملو فصل کی بہاریں گلہائے ایمان کے عطر سے مہکتی ہوئی، ایسی فصل جس میں خزاں کا گذر نہ تھا، روزآنہ ہزاروں طلبہ پروانہ وار اس کے تقوی کے پھولوں کے گرد گھومتے تھے اور اس کے عشق و صفا کے گل و برگ سے توکل و ایثار کی شہد نوش کرتے تھے، اس کے تعبد کے آب مقطر کی نہر کے ساحل پر اپنی خود رائی و خود پسندی کے گرد و غبار کو دل کے صفحے سے پاک کر کے عشق اہلبیتؑ سے سرشار ہو جاتے تھے،

اس کی ہر چیز گل سرخ محمدی تھی جب کی شبنم تھی کتاب، محراب، ہزاروں

---

[۱] مرحوم ملا محمد باقر سبزواری کی وفات کے بعد ۱۰۹۰ ہجری میں علامہ مجلسیؒ کو شیخ الاسلامی کا منصب ملا " یاد نامہ علامہ مجلسی رہ، ص ۲۶ "

سوختہ جاں پروانے ، البتہ جو چیز اس زمانے میں اس کے ذہن میں نہیں سمائی تھی اور اس کے ملکوتی قلب کے کوچوں میں جس چیز نے راہ نہیں پائی تھی وہ تھا حب جاہ و مقام و عہدہ۔

جو شخص علیؑ کے مٹی کے گھر کے بدلے میں دنیا کے تمام ایوان و محل کو نہ لے اس کے لئے یہی نہیں کہ مقام و عہدہ کی کوئی قیمت نہ تھی بلکہ وہ ایک جانکاہ مرض تھا کیونکہ اس دنیا میں کوئی چیز حوزہ میں پائی جانے والی صفا و خلوص و محبت اور حجرہ و مدرسہ کے گوشے میں لذت درس و بحث کا بدل نہیں ہو سکتی تھی ، لیکن جانے کیا ہوا کہ جب شاہ سلیمان نے ان کو شیخ الاسلام بنانا چاہا تو انکار نہ کیا بلکہ فکر میں ڈوب گئے اور خود کو ایک دوراہے پر کھڑا پایا ،

یہ ایک مستقل دوسرا قصہ ہے اسے تاریخ سے دریافت کرنا چاہیئے ،

مردان بزرگ جب کسی دوراہے پر آجائیں تو درحقیقت تاریخ خود دوراہے پر کھڑی ہوتی ہے کیونکہ وہ جملہ موانع کو توڑ کر تاریخ کو بدلنے والے لوگ ہوتے ہیں ، چنانچہ تاریخ ، مجلسی کے معاملے میں سراپا گوش تھی حتی کہ وہ اپنا راستہ پا جائیں ۔

واقعیت و حقیقت کی طرف

وہ ان مردان خدا کے گروہ میں سے تھے جو حقیقت بیں اور حقیقت و واقعیت کے طرفدار ، نیز اجتماعی عدالت کو قائم کرنے کی طاقت بھی رکھتے تھے ، تاریخ کا بہاؤ تو حکومت صفویہ کے خاتمے اور کسی ایک طاقتور پڑوسی کا ان کے آبا و اجداد کی سرزمین پر تسلط اور ایران سے تشیع کو مٹا دینے کی سمت تھا صورتحال یہ تھی کہ مغربی ایران

میں ایک مقام جو علامہ کے آبا و اجداد کی جائے تولد اور جہاں کے لوگوں کا خون و گوشت عشق اہلبیت ؑ میں سرشار تھا، اسی طرف عثمانی حکومت گھات لگائے ہوئے تاک میں بیٹھی تھی چنانچہ جب بھی عثمانی بادشاہوں کو موقع ملتا اپنے مفتیوں کے فتوی کے مطابق ؎ شیعوں کو واجب القتل قرار دے کر بادخزاں کی طرح ابہر و ہمدان تک گھس آتے اور ہر ظلم و ستم کو روا رکھتے، حتی کہ اردبیل و تبریز میں شیعوں کی قبر پر بھی رحم نہیں کرتے تھے،

مشرق کا حال یہ تھا کہ ازبک لوگ تشیع کے خلاف علم نفرت بلند کئے ہوئے تھے اور گاہ بگاہ خطۂ مقدس خراسان کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرتے رہتے اور محبان اہلبیت ؑ کے قتل و غارت کے ارادہ سے مازندران تک پہونچ جاتے تھے

شمال میں زار روس تھا جو گرجستان و داغستان کو واھیات بہانوں کا سہارا لے کر تاخت و تاراج کرتا رہتا اور بحر کیسپین کے گرم پانی تک پہونچنے کا منصوبہ بناتا رہتا تھا

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسٹیمر و جہاز جنوبی ساحل پر لنگرانداز تھے تو برطانیہ و ڈچ جزائر خلیج فارس حتی کہ بندر عباس کو بھی اپنا مال جانتے مانتے تھے، علاقہ میں اور شورش ایجاد کرکے حکومت ایران کو استعماری معاہدوں کی پذیرائی پر مجبور کرتے رہتے،

جنوب مشرق میں تیموری خاندان تھا جو ہندوستان پر حکومت کرتا تھا وہ قندھار پر قبضہ کرنے کے خیال سے حملہ کرتا رہتا تھا، جنوب مغرب میں عرب تھے جن کی

؎ سلطان سلیمان قانونی کے زمانے میں جسے فرنگیوں نے سلیمان باشکوہ یا سلیمان محتشم نام دیا ہے، عثمانی مشائخ کے راس رئیس ابوسعود آفندی نے حکومت صفویان کو ضلال و کفر جان کر خصوصی فتویٰ دیا تھا، "کیہان اندیشہ، شمارہ ۳۱، ص ۱۰۲"

حالت ابھی ان سے بہتر نہیں تھی ،

اس طرح ایران کے آسمان پر خوف و درد وغم کے سیاہ بال چھائے ہوئے تھے ، شیعہ ایران ایسی طاقتوں کے محاصرہ میں تھا جن میں سے ہر ایک اس کے ایک حصہ پر نظر گاڑے ہوئے تھا ، اگرچہ بہت سے پڑوسی ممالک صرف صفوی خاندان کی مخالفت کا راگ الاپتے تھے لیکن واقعاً ان کے عمل میں تشیع کو مٹانے کے مقاصد واضح و آشکار تھے ۴۵

دربار میں اغیار کی گھس پیٹھ

اندرون ملک کی حالت سرحدی علاقوں سے بہتر نہیں تھی " اس دن سے جب کہ شاہ عباس نے رابرٹ شرلی کی طرف توجہ دی اور اسے تاج حیدری قزلباش بخشا اور اس نے بخیب زادہ کے لقب سے شہرت پائی ۴۶ اور اپنی کلاہ پر طلائی صلیب لگائی ۴۶

---

۴۵ شہر اصفہان کے سقوط کے بعد جب محمود افغان شہر میں داخل ہوا تو اس کے آگے آگے دس بڑے افسر چل رہے تھے " جو بلند آواز سے پیروان علیؑ کو برا بھلا کہتے تھے ،

" انقراض سلسلہ صفویہ ص ۲۰۳ ،

۴۶ رابرٹ شرلی اپنی گرانبہا خدمات " کہنا یہ چاہیئے کہ اسلام کے ساتھ خیانت اور مسیحیت کی تقویت" اور اس بہادری کے صلے میں جو اس نے عثمانیوں سے جنگ میں دکھائی تھی ایرانی فوج کی ایک ٹکڑی کا سردار بنا دیا گیا اور شاہ عباس کی توجہ خاص حاصل کرلی ۱۶۰۸ء میں جب کہ شاہ عباس عثمانیوں سے جنگ آزما تھا یہ طے کیا کہ شرلی کو اپنا سفیر بنا کر یوروپی درباروں میں بھیجے ہو سکتا ہے کہ وہ ان ممالک کو مغربی محاذ پر ایک فیصلہ کن جنگ

علماء استعمار نامی کالے بخار سے آشنا ہوئے اس سے قبل کسی نے بھی اس کا سامنا نہیں کیا تھا، اسی وقت مختلف کلیساؤں کے راہب و پادری صفویوں کے قرار گاہوں پر رھنے لگے، بعض تو اپنے ملک کا نمائندہ بن کر دربار ایران میں کا غذات شناخت وتقرری لے کر آتے تھے لیکن قانونی طور پر دربار ایران کے خدمت گزار ہو جاتے تھے ان میں سے کچھ بطور زبان داں و شریک تجارت، و مترجم دربار میں مشغول کار تھے،

سلاطین کی طرف سے ان کو کچھ امور سپرد کر دیئے جاتے تھے [۱۳]، یہ لوگ اپنے ملک کی کمپنیوں کے لئے قدم برداری کا راستہ کھولنے کے علاوہ اسلام کو کمزور کرنے کے لئے ایران و عثمانیوں میں جنگ بھڑکانے اور عثمانی حکومت کے حملوں سے مسیحیت کی رہائی و بچاؤ میں بھی اہم کردار ادا کرتے تھے اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ مسیحیت کی تبلیغ بھی کرتے تھے [۱۴]

کے لئے آمادہ کرے،

"تاریخ روابط خارجی ایران، ص ۸۰"

[۱۴] مسیحیوں کی طرف شاہ عباس کے لگاؤ کے باعث اکثر یہ دیکھنے میں آیا تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے لوگوں کے ساتھی مثلاً اسپین میں اس کے سفیر بنام اروج بیگ نے کیتھولک مذہب قبول کر لیا اور ڈون ژآن ایرانی کا لقب پایا۔

" ایران صفوی از دیدگاہ سفرنامہ ہائے اروپائی، ص ۷۰"

آستین کے سانپ

سلاطین صفویہ، جنہوں نے قزلباشوں کی حمایت وکوشش سے حکومت حاصل کی تھی اور وہ اپنی حیثیت وشان کو ان کا مقروض سمجھتے تھے اسی بناپر انہوں نے اپنے اقتدار کے قصر کے پائے تصوف کے کھمبوں پر قائم کئے تھے، صفوی خاندان کی حکومت کے پورے دور میں، حکومت کے رگ وریشہ میں صوفیا اس طرح سرایت کئے ہوئے تھے کہ ان سے مقابلہ بہت بڑا خطرہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ دربار میں ان کا اثر ونفوذ تھا وہ فوج میں کامل یکجہتی کے ساتھ موجود تھے اسی طرح ایران کے چپہ چپہ پر انہوں نے مقامی طور پر طاقت وقوت پیدا کر کے خود کو ناقابل تسخیر قلعہ کی شکل میں تبدیل کر لیا تھا، تشیع کے ساتھ اس فرقہ کے اصول وآداب کی مغایرت ہی اس زمانہ کے علماء شیعہ کو ان کے مقابل میں لے آئی تھی،

ملک کے اندر اہل تصوف کا خطرہ پڑوسی اہل تسنن حکومتوں کے خطروں سے کم نہ تھا کیونکہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے تھے کہ تشیع حقیقی کو کھینچ تان کر انحراف کے راستے پر لے آئیں دوسری طرف اس زمانے میں چند دیگر فکری کجروی کا ظہور بھی ہوتا رہا جو کبھی کبھی مہدویت کے دعویٰ کی صورت میں تشیع کو خطرے میں ڈالتا رہتا تھا اس وجہ سے تشیع کی نجات وکامیابی کے لئے لازم تھا کہ کوئی ایسی خاص قدرت وطاقت کا مرکز ہو جہاں سے اس طرح کی حرکتوں کا مقابلہ کیا جائے۔

دھوکے کی ٹٹی

شیعہ عوام کو صدیوں سے اہل تسنن کی حکومت کے تحت خوف و گھٹن ومصیبت کی فضا میں زندگی گذارتے رہے تھے، مگر اپنے مراسم مذہبی کو بھی انہی سخت حالات میں ادا کرتے رہتے تھے اب وہ ۵۲۸ سال کے بعد اشہدان علیاً ولی اللہ اور حی علیٰ خیر العمل کی آواز بھی سن رہے تھے جو اس کے پہلے سرزمین اسلامی میں کسی کے کان میں نہ آئی ہوگی[۴۸]

صفویوں کی پروپگنڈہ مشنری نے لوگوں کے دل میں یہ بات اتار دی تھی کہ حکومت صفوی امام زمانہؑ کی حکومت سے متصل ہو جائے گی اس وجہ سے عوام سلاطین صفویہ کو ایسے انسان سمجھنے لگے تھے جو خدا کی طرف سے تشیع کی آزادی کے لئے بھیجے گئے ہوں،

شاہان صفوی جن کی حکومت کی بنیاد ریاکاری مکر و فریب کی بنیاد پر قائم تھی، مجالس وسینہ زنی وروضہ خوانی میں برابر شرکت کرتے اور جنگ کے موقع پر مخصوص لباس پہنتے جو آیات وادعیہ سے مزین ہوتا پھر وضو کر کے اسلام کی فتح ونصرت کی دعائیں مانگتے تھے، کبھی کبھی عوام الناس کے درمیان پہونچ جاتے تو کم تولنے والوں کو نیزہ چبھو کے گرانفروشوں کو تنور میں جلاکر لوگوں سے اظہار ہمدردی کرتے اور خود کو صالح انسانوں اور غلامان اہلبیتؑ کے طور پر متعارف کرتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ انتہائی برے کھوٹے، ناقص، بدعنوان وبے رحم تھے جنہوں نے بنام تشیع ہزاروں ہزار شیعوں کو اپنی نفسانی خواہشات وملک گیری وکشور کشائی پر نثار کر دیا، یہ لوگ اپنا زیادہ وقت مستی و

عیاشی میں گذارتے تھے ، ذرا سا خطرے کی بو پا جاتے تو کسی پر رحم نہ کرتے نہ سرداروں پر نہ اقوام و خویش پر نہ اپنی اولاد پر ، اور ذراسی کوتاہی پر انھیں اندھا کر دیتے تھے ،

دوسری طرف وہ واہمہ پرست بھی تھے ، منجّم و رمّال کی باتوں پر پختہ عقیدہ رکھتے تھے ، ان کے قول کو وحی آسمانی جان کر قبول کرتے تھے ، اور انہی خرافات و واھیات اقوال پر اعتماد کر کے کبھی کسی بدنصیب کو اپنی جگہ پر تین دن تک تختِ سلطنت پر بٹھا دیتے ، اس کے بعد اس بیچارہ کو قتل کروا دیتے ؎

اس وقت علماء کے سامنے دو محاذ تھے ایک تو اہل تسنّن کا کیمپ جو تشیع کے ضرر اور حکومت کے نفع کی فکر و کوشش میں تھا ،

اور دوسرا عوام کا علماء کے ساتھ برتاؤ تھا کیونکہ علماء کی گوشہ نشینی کو اہل تسنّن کا ہم خیال ہونا سمجھا جاتا تھا جو اکثر ان کی تکفیر پر انجام پذیر ہوتا ۔

؎ جب ایک ہزار ایک (۱۰۰۱ ھ) ہجری میں رات کو آسمان پر ایک دم دار تارا ظاہر ہوا تو منجموں نے اظہار خیال کیا اس ستارہ کا ظہور سلاطین زمانہ میں سے کسی بادشاہ کی موت یا تغیر کی نشانی ہے ،

جلال الدین محمد یزدی منجم جو شاہ عباس کا مستقل نجومی تھا یہ تدبیر سوچی کہ شاہ چند روز کے لئے سلطنت سے کنارہ کشی کرے اور اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو تخت پر بٹھا دے جسے سزائے موت دی جا چکی ہو اور پھر کچھ دنوں بعد اسے قتل کر دے ، شاہ نے یوسف ترکش دوز کو بجائے خود تختِ سلطنت پر بٹھا دیا اور تین دن بعد خود تخت پر بیٹھ کر اس کے قتل کا فرمان صادر کر دیا ،

تاریخ تمدن جہان ویژہ نوجوانان ج ۲ ، ص ۵۳ "

بہت زیادہ امکان تھا کہ علماء کی تھوڑی سی غفلت اور ان کا نفس پرست سلاطین و بادشاہوں سے جدا رہنا تشیع کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا دیتا، کیونکہ اگر منجمین یہ کہہ دیتے کہ علمائے تشیع بادشاہ کے تخت و تاج کے لئے خطرہ ہیں تو بعید نہ تھا کہ وہ بادشاہ جو اپنے بیٹوں پر رحم نہیں کرتے تھے تمام کو تہ تیغ کر کے تشیع اصل کو نابود و ختم کر دیتے۔

اسلام کا پیکر مثل اس شخص کے تھا جو اپنا ترکش ستونوں کے بیچ میں پھنسا کے رکھے ہو اور اس ترکش کو نکالنے کی کوشش سے ستون میں کھرونچ آجانے کا خدشہ ہو۔

اسی وجہ سے مجلسیؒ نے درد و غم سے سمجھوتہ کر کے وہی راستہ اختیار کیا جو علی بن یقطین ؎ نے منتخب کیا تھا وہ راہ جسے "علامہ حلیؒ" اور شیخ بہائیؒ نے بھی چنا تھا،

فلک نشینان عشق

عشق کی بلندیوں پر فائز افراد کا حال صرف وہی جانتے ہیں جن کی پہونچ وہاں تک ہے اور وہ خود بھی اس اونچائی پر جا بسے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے راہ کی سختیوں کو

؎ علی بن یقطین حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اصحاب و دوستداروں میں سے تھے جنہوں تقیہ اور اجازۂ امامؑ کی بنا پر دربار بنی عباس میں عہدہ قبول کیا تھا۔ دھخدا نے اپنے لغت میں ان کی دو کتابوں کا نام درج کیا ہے۔

(۱) ـــــــ مسائل عن جعفر الصادق من الملاحم،

(۲) ـــــــ کتاب مناظرۃ الشاک بحضرت جعفر صادقؑ

اپنے لئے ہموار کرلیا ہے، ملامت گروں سے بے پروا ہو کر وہ عشق کے فرشتے کی صدا پر دل دے بیٹھے ہیں اور انہوں نے دوسروں سے کہیں زیادہ خود کو پہچانا اور خدا کو اپنے دل میں پا لیا ہے،

پندرہویں صدی ہجری کے ثریا نشین حضرت امام خمینیؒ اپنے پہلے والے قلہ نشینوں کے بارے میں فرماتے ہیں،:

ہم بھی اگر اس وقت ان کے حسب منشاء خدمت کر پاتے تو ضرور کرتے ۔[۴۹]

یاد رہے کہ یہ لوگ درباری علماء نہیں تھے یہ ایک ایسی غلطی ہے جو ہمارے بعض اہل قلم نے کی ہے، سلاطین کے اطراف ہی بزرگان دین تھے، ان کا مقصد سیاسی بھی تھا اور دینی بھی، ایسا خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ علامہ مجلسیؒ، شیخ بہائیؒ، محقق ثانی رضوان اللہ علیھم جو ان شاہوں سے روابط و تعلقات رکھتے تھے اور ان کے سراغ میں رہتے ان کی ہمراہی کرتے تاکہ عزت وجاہ حاصل ہو یا وہ بزرگ ہستیاں یہ چاہتی تھیں کہ سلطان حسین وشاہ عباس ان پر مہربان ہوں اور کوئی عطا و بخشش کریں، نہیں ایسا کچھ نہیں تھا انہوں نے ایک درگذر بلکہ ایک مجاہدۂ نفسانی کیا صرف اس لئے کہ اس ذریعہ اور ان کے ہاتھوں سے مذہب تشیع کی ترویج کریں ۔[۵۰]

اسلام کے مصالح ان مسائل سے بالاتر ہیں جو ہم خیال کرتے ہیں، علماء کی ایک جماعت جس نے اتنی جانفشانی کی خود کو مٹا دیا اگر تم اب ان پر اعتراض کرتے ہو تو اس کا سبب یہ ہے کہ تم اصل واقعہ سے بے خبر ہو نہ یہ کہ تمہاری نیت میں کھوٹ ہے تم حقائق و واقعیات سے مطلع نہیں ہو ان کا یہ عمل آدم سازی تھی نہ یہ کہ وہ درباری

ہو گئے وہ چاہتے تھے کہ آدمی بنائیں اس بارے میں مجھے شکایت ہے ۵۱

قلب بیابان میں نخلستان

میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو دنیا کے پرشور سمندر میں پہونچنے سے پہلے تو لحظہ شماری کرتے رہتے ہیں پر جب بحر ہستی میں قدم زن ہو جاتے ہیں تو اپنا ماضی و گذشتہ واقعات سب کو بھول بیٹھتے ہیں اور اپنی اصلیت کو کچلتے ہوئے ارادوں کے ہولناک بھنور کا شکار ہو جاتے ہیں مگر ساتھ ہی ایسے جواں مرد بھی ہیں جو توکل بہ خدا کی کشتی پر بیٹھ کر اور علم و عمل کے دونوں پیر کو بندگی کے بادبان تلے دبا کر دنیا کے پرشور سمندر سے یوں گذر جاتے ہیں کہ ان کے لباس بھی آلودہ نہیں ہوتے ،

مجلسیؒ نے اگرچہ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کرنے کے بعد زرق و برق قصر و ایوان والی دنیا میں قدم تو رکھ دیا مگر پھر بھی وہ مجلسی تھے ہاں وہی مجلسی جو درس و بحث ، صفاد صمیمیت کے ساتھ طلاب کی سرپرستی کرتا تھا اور وہی جو پا برہنہ افراد و طلاب کے ایک بال کو قصر نشینوں کی ساری کائنات کے بدلے میں نہیں دے سکتا تھا ، ان کا لباس و پوشش عامۃ الناس جیسی تھی ، وہ یزد کا بنا ہوا کپڑا پہنتے تھے جس کی ایک قسم قدک کرباسی تھی ، سر پہ جو عمامہ ہوتا وہ کرباس کا بنا ہوتا ، ان کی صبح و شام کی خوراک نہایت سادہ تھی ۵۲ ، مسجد جمعہ کی پشت پر ان کا چھوٹا سا مکان تھا ، جو آخر تک رہا ،، جس میں تین کمرے چاردیواری اور ایک بڑا کمرہ تھا

جسے قدیم اصطلاح میں مجلسی کی بیرونی کہا جاتا تھا، یہ وہ جگہ تھی جہاں دید و بازدید انجام پاتی تھی یہ ایک معمولی و مختصر سامکان تھا ۵۳

عدالت وانصاف کے پیاسوں، پا برہنہ افراد و طلاب کے لئے۔ ان لوگوں کے لئے جو بجز سایہ رحمت خدا اوران کی ذات کے کوئی سائبان نہیں رکھتے تھے اس زور وزر وتزویر کے بیابان کے قلب میں علامہ سرسبز نخلستان کے مثل تھے۔

ان کے گھر کا دروازہ لوگوں کے لئے کھلا رہتا تھا اور ہمیشہ ان کے مکان میں کچھ فقراء معمولی حیثیت کے افراد کی پذیرائی دسترخوان پر ہوتی تھی وہ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھتے اور قریب سے ان کے درد دل کو سنتے تھے ۵۴

عہدہ و مرتبہ کا تمغہ

وہ ان لوگوں میں نہ تھے جو عہدہ کو اپنے سینے کا تمغہ سمجھتے ہیں اور اس سے خوشی محسوس کرتے ہیں، بلکہ وہ خود عہدہ و مرتبہ کے سینے پر سند کا ایک تمغہ تھے۔

عہدہ ومقام ان کی طالب علمانہ خصلت اور عوام میں محبوبیت کو کم نہیں کرسکا، بلکہ حوزہ ہائے علمی میں ان کی مقبولیت کو بڑھادیا وہ ایک عظیم تفکر تھا چھوٹے چھوٹے حجروں کی نمی اور مہر ومحبت اہلبیتؑ کی نمی جس کی ہڈیوں میں سرایت کئے ہوئے تھی یہ ایسی نمی تھی جسے چہل ستون کی پرشکوہ عمارت وخانہ آئینہ وقصر علی قاپو کی زرق برق ہوا خشک کرپاتی تھی نہ اسے ذکر خدا، تدریس وعوام سے جدا کرسکتی تھی۔

اگرچہ وہ شیخ الاسلامی سے مربوط وظائف واعمال کو انجام دیتے تھے مگراس

حال میں بھی تدریس وموعظہ سے غافل نہیں رہتے تھے نہ ہی مستحبات کو ترک کرتے تھے، نماز شب، تہجد، غسل جمعہ، ونماز جعفر طیارؑ، اور صبح وشام اذکار واوراد مستحب کو نہیں بھولتے تھے، ۵۵

سید نعمت اللہ جزائری کہتے ہیں!

میں نے ان کے پہلو میں کئی سال زندگی گذاری شب وروز ان کے ہمراہ رہتا تھا میں نے ان سے کوئی عمل مباح بھی صادر ہوتے نہ دیکھا ۵۸ چہ جائیکہ مکروہات "۵۶

لوگوں کی شکایت پر دھیان دیتے خود ان کے درمیان آجاتے میت وجنازہ کی نماز پڑھاتے، نماز جماعت بھی قائم کرتے، علامہ کے میزبان اس قدر زیادہ تھے کہ پہلے ایک شخص ان سب کے نام نوٹ کرتا پھر علامہ نماز عشاء کے بعد ترتیب وار ایک ایک کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے ۵۷

علامہ عوام کے ساتھ بہت قریبی روابط رکھتے اور ان کے مکانوں پر جاکر نہ صرف ان کی حالت سے واقفیت حاصل کرتے بلکہ انہیں عوام وروحانیت کے درمیان کی اس سنت کی حفاظت بھی مطلوب

---

۵۸ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی رہ نے بارہا فرمایا کہ میں نے زمانہ غیبت کبریٰ سے آج تک کے درمیان کسی کو مرحوم علامہ مجلسی رہ جیسا نہیں دیکھا جو واجب سے مستحب تک کے تمام آداب شرع کا مقید وعامل ہو، "یادنامہ علامہ مجلسیؒ، ص ۲۶"

تھی جیسے وہ عملی طور پر جوان طلاب کو سکھاتے تھے مقصد یہ تھا کہ طلبہ کتنا ہی بلند رتبہ و مقام و عہدہ حاصل کرلیں لیکن انھیں کبھی مسجد و عوام سے جدا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ روحانیت کی اصل جگہ عوام کا دل ہے اور اس روابط کو قائم و جاری رہنا چاہیئے ۔

دربار کی ایک پراسرار شخصیت

ان کے نعلین " جوتیوں " کی صدا چاپلوسوں کیلئے پیغام موت تھی ان کا کلام "خارجیوں " بدبیسیوں کی نخوت کو چور چور کر دیتا اور ان کے ناپاک ارادوں کو نقش بر آب بنا دیتا تھا،

مجلسیؒ اور " ریفل ڈومن " نامی پادری کا زمانہ ایک تھا یہ ایک ایسا پراسرار آدمی تھا جس نے سلاطین صفویہ کے دربار کو ۵۳ سال تک اپنی چراگاہ بنایا ہوا تھا،

ڈومن صفوی دربار میں جب تک رہا خصوصی امتیازات کا حامل رہا اور فلسفہ و ادبیات شرقی، نجوم و ریاضیات سے واقفیت کی وجہ سے دربار کا معلم بن بیٹھا وہ درباریوں بشمول شاہ عباس دوم کو ریاضی نجوم و فرانسیسی زبان کی تعلیم دیتا تھا، دراصل دربار صفوی سے اس کی یہ قربت حکومت فرانس کے سیاسی منافع سے مربوط تھی، اور اس طرح حکومت فرانس بھی اپنے مذہبی مبلغین کے سہارے و مدد سے اس لائق ہوگئی کہ ان لوگوں کے ذریعہ جو بظاہر سرزمین مشرق پر سوائے تبلیغ مسیحیت کے

اور کوئی کام نہیں کرتے تھے، اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرے ۵۹ اگرچہ مشرقی ہندوستان میں فرانسیسی کمپنی کی تشکیل لوئی چہاردہم کے وزیر ژان بیٹسٹ کے ہاتھوں ہوئی مگر اس کی بنیاد دراصل " ریفل ڈومن "، پادری کی دی ہوئی اطلاعات و تجربیات کی مرہون منت تھی، یہ ذات شریف زبان فارسی پر کامل تسلط رکھتے تھے اور سفارت خانہ فرانس کو جملہ حالات و کوائف سے مطلع کرتے بلکہ اس کی راہنمائی کرتے ۶۰ ساتھ میں جعلی سند، فرضی خطوط تیار کرنے اور غیر ملکیوں کو اطلاعات فراہم کرنے میں بھی بہت تیز تھے، ۶۱

علامہ مجلسی رہ اگرچہ عیاش و آرام طلب شاہ سلیمان پر روحانی و معنوی نفوذ نہیں رکھتے تھے لیکن ان کا سیاسی نفوذ اتنا تھا کہ وہ اس استعمار گر گروہ کے منصوبوں سے شاہ سلیمان کو آگاہ کرتے رہتے تھے اور اس تعلق سے مجلسی رہ کی کارگزاری ایسی پر اثر تھی کہ سلیمان کبھی ڈومن پر بھروسہ نہیں کرتا تھا اگرچہ اسے دربار میں مترجم کا عہدہ ملا ہوا تھا۔

علماء کی تیز فہم و ذکا اور دور اندیشی خصوصاً علامہ کی ذہانت کے باعث ان پادریوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہو سکا کہ صفوی دورِ سلطنت میں ایران کے اندر اپنے پیروان کے لئے ایسا ادارہ یا مرکز قائم کرے جو حکومت میں نفوذ پیدا کر سکے یا اپنے قاعدہ قانون و آئین کو وسعت دے سکے ۶۲

---

۶۱ سلیمان اس سے اور تمام دیگر پادریوں سے راضی نہیں تھا اور وہ اسے ہلچل و تحریک کرنے والا جانتا تھا اور یہ بات بھی غلط نہ تھی، چنانچہ اس وقت جب کہ وہ ایک فرانسیسی تجارتی وفد کے ایک جعلی سند تیار کی تو اپنے جال میں خود پھنس گیا " ایران صفوی ر ص ر ۶۹ "

صوفیوں سے دو دو ہاتھ

علامہ کے زمان حیات میں صوفیوں نے حالات و ماحول پر تسلط حاصل کرلیا تھا جس سے ایک عجیب وحشت و گھٹن کی فضا پیدا ہوگئی تھی انہوں نے اسے محسوس کیا اور اس کا اظہار یوں کیا :

ان حالات میں مجھ پر واجب ہوگیا کہ میں حق و نجات کی راہوں کو تمہارے لئے واضح دلائل اور روشن ثبوتوں کے ساتھ بیان کر دوں ہر چند کہ قاتل و باغیان اہل بدعت سے خائف و اندیشہ مند ہوں[۹۳]

علامہ نے اپنے اس بیان سے آئندہ نسل کے لئے مشکل حالات میں اپنا موقف ظاہر کر دیا اور وہ بھی شجاعانہ تیور کے ساتھ، صوفیوں کی سیاسی طاقت کو خاطر میں لائے بغیر جب کہ اس زمانہ میں صرف شہر اصفہان میں وہ گروہ اکیس سے زائد خانقاہوں اور تکیوں کا مالک تھا[۹۴]

علامہ اپنے بیان میں آگے کہتے ہیں کہ :

اے میرے برادران دینی تم جان لو کہ میں اس موقع پر تمہاری خیر خواہی و نصیحت میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا اور تم سے حق بات پوشیدہ نہ رکھوں گا اور مجھ پر جو حق کے مطالب آشکار ہو چکے ہیں اسے تم سے بیان کرتا ہوں اگرچہ مخالفین کے دماغ پر خاک پڑی ہوئی ہے اور میں راہ خدا میں دوسروں کی ملامت سے ڈرنے والا نہیں ہوں[۹۵]،

صوفیوں کے حالات واذکار و روش کو بیان کرنے کے بعد علامہ رقمطراز ہیں:

اب میں تمہارے لئے اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں اور ان چیزوں
کو بیان کرتا ہوں بطور اصول مذہب بکثرت متواتر روایات و
احادیث کے وسیلے سے ظاہر ہوئی ہیں تاکہ تم لوگ گمراہ نہ ہو اور مکر
و فریب و غرور سے دھوکا نہ کھاؤ اور تم پر میں حجت خدا کو تمام
کردوں "۶۶

اس کے آگے آپ نے ایک ایک کر کے تشیع کے تمام عقائد کو گنوایا، علامہ نے منحرف صوفیوں کے افکار و عقائد کے نفوذ سے عوام کو بچانے کے ساتھ ایک دوسرا کام کیا کہ رفتہ رفتہ وقت کے گذرنے کے ساتھ دربار و فوج دونوں جگہ ان کی قوت کو گھٹا دیا اور شاہ و عوام دونوں کو ان فرزندانِ شیطان کی حقیقت سے آگاہ کیا جو امیر المومنینؑ کے پیرو کار ہونے کے نام پر تشیع کے اصلی خط و راستے کو انحراف کی طرف کھینچے لئے جا رہے تھے،

امن وسکون کی بارش

علامہ کا عامۃ الناس میں معنوی، سیاسی نفوذ اس حد تک تھا ۶۷ کہ مختصر

۶۷ علمائے اسلام سے اپنی تمام دشمنی وبغض کے باوجود لارک مارٹ نامی فرنگی مورخ لکھتا ہے، کہ اس میں دورائے نہیں کہ وہ "علامہ" نہ محض اپنے دورحیات میں بلکہ بعد از مرگ لمبی مدت تک عوام میں گہرا نفوذ و زیادہ اعتبار رکھتے تھے۔ "انقراض سلسلہ صفویہ، ص ۸۳"

سے فتوی کے ذریعہ عوام و فوج کو حکومت ترکیہ عثمانی سے جنگ پر ابھار سکتے تھے لیکن انہوں نے استعمارگروں کے ہاتھ کی لکیروں کو اچھی طرح سے پڑھا تھا وہ حکومت عثمانی کے مفتیوں جیسے نہ تھے کہ چاپلوسوں کی باتوں میں آکر فتوی جنگ صادر کر دیتے جسکا خاتمہ یوروپی شفقت پر ہوتا۔

اگر مجلسیؒ کی زندگی میں روشنی کا ایک نقطہ بھی نہ ہوتا " اگرچہ ان کی زندگی سراسر نور تھی "، تب بھی اس جواں مرد کی بزرگی و عظمت کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ دربار جو صوفیوں، پادریوں، سفیروں، خواجہ سراؤں اور چاپلوسوں سے بھرا ہوا تھا اور سب کے سب ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے تاکہ ایران کے دریا کو کیچڑ بنا کے اس کی مچھلیاں چن چن کر اپنی جھولی میں بھر لیں، لیکن مجلسیؒ کا دربار میں ہونا اس قدر موثر ہوا کہ ایران و ترکی کے درمیان ایک بھی جنگ نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے شاہ کو جنگ سے دور ہی رکھا، وہ وقت جب کہ حکومت عثمانیہ و یوروپی ممالک کے درمیان جنگ اپنے شباب پر تھی، آسٹریا، جرمنی، وزار روس کی طرف سے ایران کو سفرا بھیجے گئے تاکہ شاہ ایران کو آمادہ کیا جائے کہ وہ دولت عثمانی کے خلاف مشرق میں ایک نیا محاذ کھول دے، شاہ سلیمان نے جب اس پیغام کو ٹھکرا دیا تو وٹیکن کے اسقف اعظم اینوسن یازدہم نے اپنا ایک سفیر بنام سبسٹن کینب دربار اصفہان میں بھیجا اور ایک خط کے ذریعہ بادشاہ ایران سے التجا و استدعا کی کہ وہ مسیحی حکومتوں کے ساتھ ہو جائے اور مشرق سے عثمانی سرحد پر حملہ کر دے شاہ سلیمان نے پوپ کے سفیر کو جواب دیا کہ:

جیسا کہ یوروپی بادشاہوں کو بتا دیا گیا ہے کہ بہت دنوں سے

"

عثمانی سلاطین وشاہان صفوی باہم دیگر صلح وآشتی کے ساتھ رہ رہے ہیں اور اس اثناء میں ترکوں کی طرف سے کوئی حرکت صلح کے خلاف دیکھنے میں نہیں آئی ہے اس لئے اس حکومت سے جنگ کا کوئی معقول سبب نظر نہیں آتا ،،[۷۷]

درحقیقت اس طرح کے مسائل میں کوئی فیصلہ شاہ سلیمان کا نہیں علامہ مجلسیؒ کا ہوتا تھا کیونکہ پہلے کے بادشاہوں کے زمانے میں طرفین سے فریب و مکرو دغل بازی کر کے جنگ کو مذہبی رنگ دیکر چھیڑا جاتا رہا تھا اور یہ معلوم ہے کہ بغیر علماء کے مشورہ کے ایسے نازک موقع پر شاہ سلیمان خود کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتا تھا ۔

فصل چہارم

حوزہ میں حوزہ

جب کہ علامہ نے مدارس علمیہ ، تبلیغ ، تحقیق ، کتاب کا مطالعہ اور طلاب کے مسائل و امور کے حل کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا رکھا تھا نیز معارف و علوم اسلامی کی بلند چوٹی پر قابض و متمکن تھے تو ظاہر ہے کہ وہ خود تن تنہا ایک حوزہ علیہ تھے " نہ کہ صرف ایک عالم دین "، شاید جسارت نہ ہو اگر یہ کہا جائے کہ امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام " کے زمانے سے علامہ کے وقت تک کی درمیانی مدت میں علوم اسلامی کے شیفتگان و مکتب اہل بیت ع کے طلاب کی تعداد اتنی کثرت کو نہ پہونچی ہوگی جو علامہ کے دور میں تھی ،

طلاب علوم ایران کے دور دراز علاقوں اور ہمسایہ ممالک سے اصفہان آتے تھے اور اپنی روح وفکر وخیال واندیشہ کو علامہ کے دامن کے دریائے بیکراں میں ڈال دیتے تھے،

علامہ ایک ایک طالب علم سے عشق وعلاقہ رکھتے تھے اور ہر ایک کو تشیّع کے لئے ایک مسلّح مبلغ کی نظر سے دیکھتے تھے ان کو عام لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کی ترغیب دیتے اور انھیں عوام کے فکری تغذیہ کا ذمہ دار جانتے تھے اسی لئے کچھ طلبہ جو اطراف اصفہان میں تھے پنجشنبہ وجمعہ یعنی تعطیل کے دن اردگرد کے دیہاتوں کی طرف نکل جاتے اور ان کے ذاتی وخانگی مسائل کی خبرگیری کے ضمن میں اقامہ نماز جماعت اور ارشاد وہدایت کرتے تھے، اس زمانے میں زیادہ تر علماء ومدرسین غیر درسی پروگرام مرتب کر کے علم اخلاق ورجال ودیگر علوم کی تعلیم دیتے اور علامہ موعظہ ونقل اخبار وآثار ائمہ علیھم السلام سے آگاہ کرتے [۶۸]۔ بزرگترین علمی شخصیتیں اور مذہب شیعہ اثنا عشری کے بڑے بڑے مولفین نے حوزہ علمیہ اور علامہ مجلسی رہ کے درس سے تربیت ورہنمائی پائی اور پھر وہ اپنے اپنے ملکوں میں واپس گئے، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بحرین، وعراق جاکر ہر ایک نے حوزہ علمیہ قائم کیا اور بہت سے دینی طلاب کی تربیت کی [۶۹]،

حُر آزادہ

عہدۂ شیخ الاسلامی، بے پناہوں ویتیموں اور عوام کی مسل وفائل دیکھنے

کی ذمہ داریاں علامہ کو حوزہ علمیہ و علمائے اسلام سے جدا نہیں کر سکیں وہ موقع ملتے ہی مدارس علمیہ و علمائے اسلام کے دیدار و ملاقات کے لئے نکل پڑتے اور اگر علماء یا طلاب ان کے یہاں یا دفتر میں آجاتے تو ان کو عظمت و رفعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے خانہ خدا اور مزار ائمہ علیھم السلام کے زائر جب اپنے شہر واپس آتے تو علامہ کی زیارت و دیدار کے لئے اصفہان آتے تھے۔

علامہ ان کی خاص طور سے پذیرائی و استقبال کرتے تھے اور اپنے ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے خود کو ان کے لئے وقف کر دیتے اور انہیں اصفہان کے قابل دید مقامات کی سیر کرانے لے جاتے تھے۔

اگرچہ بیشتر علماء تاج و تخت و نظام شاہی کے مخالف تھے اور ان کی نظر میں بادشاہوں کی کوئی قیمت نہیں تھی مگر وہ بھی علامہ مجلسیؒ کی نیت سے آگاہ تھے۔ اور اس وجہ سے ان کو تشیّع کے لئے مایۂ رحمت اور حوزہ ہائے علمیہ کے لئے باعث برکت تصور کرتے اور ان کے ساتھ اپنے رشتۂ الفت و محبت کو مستحکم تر کرتے رہتے تھے۔

علامہ اور شیخ حرؒ عاملی کے درمیان بڑی محبت و خلوص تھا دوستی و میل ملاپ آمد و رفت کے علاوہ علمی اعتبار سے بھی ایک نے دوسرے سے اجازہ لیا تھا اور شیخ اپنے سفر حجاز و عراق کے دوران علامہ کے دیدار کے لئے اصفہان تشریف لائے تھے۔

ایک دن علامہ نے شیخ کو شاہ کا محل دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لیا، محل کے کچھ حصّے دکھانے کے بعد دونوں " دیوان خاص " محل کے بڑے حال میں آگئے شاہ محل میں شیخ کی تشریف آوری سے باخبر تھا اس لئے احترام و استقبال کے لئے خود کو آمادہ کیا جب شیخ اندر داخل ہوئے تو وہ احتراماً اپنے تخت سے اٹھ گیا دوسرے

لوگ بھی شاہ کی تاسی میں کھڑے ہو گئے ، خیر مقدم و تکلفات کے بعد قبل اس کے کہ شاہ ان سے بیٹھنے کو کہے، شیخ ایک کنارے ایسی جگہ جا کر بیٹھ گئے جو شاہ کے بیٹھنے کے لئے مخصوص تھی ، بعد میں شاہ اور درباری بھی بیٹھ گئے مگر شیخ کی یہ حرکت شاہ کے نا مقدس سر پر ہتھوڑے کی مار بن گئی ،

چنانچہ شاہ اندر ہی اندر خار کھاتا رہا اور اس کا دماغ کھولتا رہا کہ کیسے شیخ کی اس حرکت کا جواب دے ،

یک بارگی اس نے جو پنج کھولی اور کہا :

شیخ یہ تو بتائیے کہ خُر و خَر کے درمیان کیا فرق ہے ؟

شیخ جو ایک جوانمرد اور آزادگان کے خانوادہ کا چراغ تھے بلا وقفہ دلاوری کے ساتھ شاہ کی طرف رخ کر کے بولے :

ایک مسند کا ،

اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تمام حاضرین ہنس پڑے کہ شاہ ایران شیخ کی حاضر جوابی کے آگے حیرت زدہ رہ گیا ،

شاہ نے جب شیخ کی عظمت ، علامہ کی طرف سے ان کا احترام واکرام اور ہال سے نکلنے کے بعد ان کے ساتھ علامہ کا جانا دیکھا تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ خاموش ہو جائے تا کہ معاملہ اور خراب نہ ہو جائے

بت شکن عصر

وہ ایسے نہ تھے کہ گھر میں بیٹھ رہیں اور خود کو کتابوں یا دفتری کاموں میں محصور کرلیں، نہیں!

بلکہ وہ ان تمام واقعات و حادثات سے باخبر رہتے جو اسلامی دنیا خصوصًا ایران میں رونما ہوتے تھے اور مذہب مخالف معمولی سی حرکتِ انحرافی پر نظر رکھتے تھے، ان کا مسکراتا و ہشاش بشاش چہرہ منکرات کو دیکھتے ہی متغیر ہو جاتا تھا آپ بدعتوں کے مقابل میں پوری طاقت سے کھڑے ہو جاتے اور بلا تامّل و توقف فتویٰ صادر کر دیتے۔

وہ سرزمین تشیع پر مختلف الحادی والتقاطی فرقوں میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی مجال وہمت پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔

ایک دن علامہ مجلسیؒ کو خبر دی گئی کہ چند بت پرستوں نے شہر اصفہان میں ایک بت خانہ بنایا ہے اور وہاں پر اس بت کی پرستش کے لئے جاتے ہیں علامہ نے تحقیق کی اور بت خانہ سے آگاہ ہونے کے بعد بت شکنی کا فتویٰ صادر کر دیا۔

جب ان بت پرستوں کو جن میں زیادہ غیر ایرانی اور پڑوسی ممالک کے باشندے تھے، اس فتوے کا علم ہوا تو وہ شاہ کے دربار میں گراں بہا تحفے وہدیے لیکر پہونچے، اور شاہ سے التجا کی کہ بت کو توڑنے کی ممانعت کر دی جائے۔

شاہ جانتا تھا کہ علامہ ایسے آدمی نہیں، جو کسی قیمت پر حکم خدا سے چشم پوشی کرلیں، اس لیئے ان لوگوں کی درخواست کو رد کردیا۔

جب مامورین ومزدوروں نے بت خانے پر ہلّہ بول کر بت کو توڑ ڈالا تو ان کے جانے کے بعد بت کے نگہبان نے خودکشی کرلی اور اپنے معبود سے جاملا۔ ۱۷

چشمۂ فیض عام

وہ ایک پاک ومعطّر چشمہ تھا، کہ سبھی اس کی جستجو میں چلے آتے اور بقدر معرفت وظرف اس سے استفادہ کرتے۔

وہ ایسا عالم تھا جو تمام علوم پر کامل احاطہ رکھتا تھا علماء کو وہ صرف ایک کام خصوصًا حوزہ علمیہ سے وابستہ نہیں جانتے تھے بلکہ کتب عربی کی تصنیف ۱۸ کو

---

۱۸ تالیفات عربی علامہ "بحار الانوار کے علاوہ"

(۱) مراۃ العقول فی شرح اخبار الرسول در شرح اصول کافی،

(۲) ملاذ الاخبار فی شرح التہذیب،

(۳) شرح اربعین، (۴) الوجیزہ فی الرجال،

(۵) الفوائد الطریفہ فی شرح الصحیفۃ السجادیہ،

(۶) رسالہ الاوزان، (۷) المسائل الھندیہ، (۸) رسالہ اعتقادات،

(۹) رسالہ فی الشکوک۔ "(۵۰) سطروں پر مشتمل ہے اور اسے ایک رات میں لکھا گیا ہے"

التقاط والحاد سے مقابلہ اور احیاء علوم حوزہ خیال کرتے تھے ، دوسری طرف صفوی سلسلہ کے توسط سے فارسی میں ترکی الفاظ کا رواج ونفوذ ، طلاب کی نوشت و تحریر میں عربی الفاظ کا بیشتر استعمال ، عوام کا بہت سے فارسی الفاظ کو نکال دینا، ان سب باتوں کو علامہ ایران کی اصل تہذیب و ثقافت کے لئے دوسرا بڑا خطرہ سمجھتے تھے اسی لئے آپ نے اس "تحریک فارسی نویسی" [۱] کو جاری رکھا جسے آپ کے پدر بزرگوار اور بعض دیگر علماء نے شروع کیا تھا [۲]۔

---

[۱] تالیفات فارسی علامہ مجلسیؒ ،

(۱) حق الیقین

(۲) عین الحیاۃ

(۳) حلیۃ المتقین

(۴) حیات القلوب ،

(۵) مشکوٰۃ الانوار ،

(۶) جلاء العیون ،

(۷) زاد المعاد ،

(۸) تحفۃ الزائر ،

(۹) مقیاس المصابیح ،

(۱۰) ربیع الاسابیع ،

(۱۱) رسالہ در شکوک ،

اپنی تمام عظمتوں اورمراتب عالیہ کے باوجود ان کو معمولی کتابیں اور فارسی زبان میں چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے لکھنے میں کوئی عار نہیں تھا۔ ان کی نظر میں اہم شئے لوگوں کی ضرورت تھی اسی کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے دعاؤں سورتوں، قصائد کا ترجمہ شروع کیا وہ معاشرہ سے جدا نہیں تھے اور نہ کوچہ و بازار کے حوادث وحالات ان کی نظروں سے پوشیدہ تھے ان کا خیال تھا کہ اہل قلم کو لکھتے وقت زمان و مکان کو مدنظر رکھنا چاہیئے،

وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی ثقافتی ضروریات کو دیکھتے ہوئے گوناگوں کتابوں کی تالیف میں لگ جاتے تھے جس وقت دیکھا کہ لوگ علم نجوم کے طالب

---

(۱۲) رسالہ دیات،

(۱۳) رسالہ در اوقات،

(۱۴) رسالہ در جفر،

(۱۵) رسالہ در بہشت، و دوزخ،

(۱۶) رسالہ اختیارات ایام،

(۱۷) ترجمہ عہد نامہ امیرالمومنینؑ بہ مالک اشتر،

(۱۸) مشکوٰۃ الانوار در آداب قرأت قرآن ودعا،

(۱۹) شرح دعائے جوشن کبیر، (۲۰) رسالہ در رجعت، (۲۱) رسالہ در آداب نماز

(۲۲) رسالہ در زکواۃ، ——— اور دیگر تیس[۳۰] سے زائد رسالے مختلف مسائل ودعاؤں کے ترجمے اور عقائد واحکام میں بہت سے مختصر کتابچے ۔

ہیں تو کتاب " اختیارات " لکھنے بیٹھ گئے اور جب یہ محسوس کیا کہ معاشرہ کو ضرورت ہے کہ اسے خدا کے قریب کرنے کے لئے مہمیز کیا جائے تو تہذیب اخلاق پر " عین الحیٰوۃ " جیسی کتاب لکھ ڈالی ، ادبیات فارسی پر ان کا تسلط ، اسلوب تحریر و سادہ نویسی آج صدیوں بعد بھی فارسی ادبیات کے آشناؤں کو تعجب میں ڈال دیتا ہے ۔ کیونکہ علامہ مجلسیؒ کی نثر میں ابہام و اعراض کے قابل ایک نقطہ بھی پکڑ میں نہیں آتا وہ نثر نگاری و جملہ بندی میں استاد تھے چونکہ علامہ بے انتہا لگن و عشق اور اپنے منصب کا احساس کر کے قلم اٹھاتے تھے اس لئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ان کے فارسی نوشتوں نے معاشرے میں خصوصی جگہ بنالی ، جملہ دوستداران اہل بیتؑ کے گھروں کے طاقچے پر قرآن کے پہلو بہ پہلو ان کی کتابیں رکھی رہتی تھیں ، اور لوگ علامہ کے جدید رسائل و کتابچوں کے حصول اور مطالعہ کے لئے منتظر رہتے ، ان کے فارسی آثار لوگوں کے دین و دنیا دونوں کے لئے مفید تھے ، اور ان کی ہدایت کا سامان فراہم کرتے تھے بہت کم شیعوں کے مکان ایسے ہوں گے جہاں علامہ کی کتابیں نہ پائی جاتی ہوں اور وہ اس سے بہرہ مند نہ ہوتے ہوں گے ،

ایران کی سرحدوں سے باہر بسنے والے شیعوں کا علامہ کی کتاب سے عشق و تعلق ہی اس کا سبب بنا کہ شیعہ افکار و عقائد کو سادہ دلائل اور عوام پسند انداز میں پیش کیا جائے تاکہ شیعوں کی آبادی والے دیہاتوں کے باسی جو اپنی زندگی اہل تسنن کے زیر سایہ گذار رہتے ہیں ان کے قلوب میں یہ عقائد جگہ بنالیں اور وہ اپنے پیشواؤں کے طرز حیات و دعاؤں سے آشنا ہو سکیں ۔

چنانچہ جب علامہ کی بعض کتابوں کے نسخے شائع ہوتے تو بہت سے

لوگوں نے مذہب تشیع اختیار کرلیا۔[۵]

بزرگ ہستیاں معرفت کی بلندترین چوٹیوں پر مقیم ہیں وہ سب کو دیکھتی ہیں اوران کی ضروریات و حوائج کو معلوم کرلیتی ہیں درحقیقت وہ ایک امت کے مانند ہوتی ہیں۔

مجلسیؒ ازسرتاپا امت تھے اس لئے ان کی تحریریں، نوشتے اور کتابیں اتنی تھیں کہ عرب وایران، جاہل و عارف، مرد وعورت حتی کہ بچے بھی اس سے استفادہ کرتے تھے[۲۷]

شہادت استاد

تشیع کی تاریخ میں شہیدوں کے سردار و علمدار علماء و روحانیون ہی تھے اور ہیں، کیونکہ روحانیوں کی پاک و مزین ادائیں خود شہادت کی نشانی ہیں، فقہ کا ایک ایک کلمہ جو آج ہمارے پاس ہے وہ خون سے لکھا گیا ہے اور ہر کتاب و ہر فتویٰ پر ایک سر دیا گیا ہے۔

قاضی نوراللہ شوشتری "شہید ثالث" کی ہندوستان

---

۵ کہا جاتا ہے کہ جب علامہ نے کتاب حق الیقین لکھی اور وہ شائع و طبع ہوکر سرزمین شام پہونچی تو اس ملک کے ستر ہزار اہل تسنن نے مذہب تشیع اختیار کرلیا۔

"قصص العلماء ص ۲۰۵"

کے اہل سنت حکام کے ہاتھوں شہادت کو اگرچہ برسہا برس گذر چکے ہیں مگر ہر شیعہ کو ان کی دردناک شہادت کی یاد آزار دیتی رہتی ہے ، اس کے بعد سرزمین حجاز کے حکامِ اہل تسنن نے دوسرے جرم کا ارتکاب کیا اور سازش و مکر کے ذریعہ خاندان اہلبیت عصمت و طہارت "علیھم السلام" کے دیگر جواں مردوں کا خون زمین پر بہایا ۔

۱۰۸۸ ھ کے سال میں حرم کعبہ کے خادمین "خائنین" نے یہ خبر اڑا دی کہ کسی نے کعبہ مطہر کی دیوار کو نجاست آلود کردیا ہے ،

یہ خبر بڑی سرعت کے ساتھ مکہ میں عام ہوگئی اور موضوع گفتگو بن گئی انجام کار اہل تسنن کی شیعوں سے قدیم دشمنی اس بات کا سبب بن گئی کہ اس بے احترامی کو شیعوں سے منسوب کردیا جائے ۔

چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ترکوں اور عربوں نے باہم قرار کیا کہ جہاں بھی کسی شیعہ کو پا جائیں گے قتل کردیں گے اور کیا بھی یہی کہ حرم میں پہونچتے ہی پانچ شیعوں کو شہید کرڈالا جس میں میرزا سید محمد مومن استرآبادی بھی شامل تھے ۔

شیخ حرّ عاملی جو اس زمانے میں مکّہ ہی میں تھے اس ناپاک سازش سے آگاہ ہوگئے ، اپنے ساتھیوں کو حکم دیا :

> کہ کوئی گھر سے باہر نہ نکلے اور سید محمد مومن استرآبادی و دیگر شیعوں کی خبر شہادت سنکر تمام ہمراہیوں کے ساتھ مکہ کے ایک شریف و کریم شخص سید موسیٰ ابن سلیمان کے مکان میں پناہ گزیں ہوگئے ۔

سید موسیٰ نے اپنے دوستوں کی مدد سے شیخ حرّ عاملی اور تمام شیعوں کو مخفیانہ طور

سے یمن کی طرف روانہ کردیا اور ان کو اس مہلکہ سے نجات دلائی ؎

سید محمد مومن استر آبادی اور ان کے رفقاء کی شہادت کی خبر نے ایران کے شیعوں اور علامہ مجلسی رہ کو جنہوں نے اپنے ایک بزرگ استاد کو اس حادثہ میں کھو دیا تھا شدت سے متاثر کیا، لیکن مجلسی رہ اس سے بالاتر تھے کہ یہ واقعہ جو عوام کے احساسات پر غالب آگیا تھا اور شیعہ انتقام کی طلب میں باہر نکل پڑے تھے اس سے استفادہ کرتے اور فتویٰ دیکر مقابلہ بالمثل " جوابی حملہ " کرتے ۔

اگر شیخ الاسلامی کے زمانے میں ایک بار بھی ایران کے اہل تسنن والے شہروں سے شیعوں نے چھیڑ چھاڑ نہیں کی تو یہ انہی کا کارنامہ تھا ؎

علامہ مجلسی رہ نفوذ کامل و پوری قدرت و طاقت رکھتے ہوئے بھی برادران اہل سنت کی تضعیف و کمزوری کے درپے کبھی نہ ہوئے، نہ ایران کے شہروں میں ان کی تنظیم و تشکیلات کو بگاڑنے کا خیال دل میں لائے ۔

دو اسلامی شہنشاہیتوں " ہندوستان و ترکی " کا برتاؤ یعنی مغرب کے ہجوم کا مقابلہ کرنے کے بجائے صفوی حکومت سے ٹکراؤ و مقابلہ کا رجحان ہمیشہ ان کو رنجیدہ کرتا رہتا تھا، کیونکہ وہ ان تینوں حکومتوں کی وحدت کے آرزومند تھے

؎ کرد، افغان، " بہ استثناء طائفہ ہزارہ " اور بہت سے اعراب اور قفقاز و ماورائے قفقاز کی غیر مسیحی آبادی سنّی تھی اگرچہ وہ بطور کلی اقلیت میں تھی مگر بعض نواح میں ان کی اکثریت تھی ، " انقراض سلسلہ صفویہ رص ۱۹ "

خوبرو مقدس

علامہ مقدس تھے مگر ایسے کہ خوشروئی کو بھی عبادت میں شمار کرتے تھے اگرچہ ہر لحظ ان کی زبان و ذہن میں ذکر خدا رہتا تھا مگر وہ ایسے نہ تھے کہ محافل ومجالس میں آکر بھی خود میں کھوئے رہیں بلکہ کشادہ روئی اور طنزیہ کلام سے ہر ایک لبوں پر تبسّم لے آتے تھے ۔

وہ شوخی طبع وحاضر جوابی میں سر آمد روزگار تھے ان کے لطیفوں میں حکمت وپیام چھپا ہوتا تھا ان کی طنز گوئی علماء کا دامن بھی پکڑ لیتی تھی تو دوسروں کا کیا ذکر، مثال کے طور پر علامہ حقّہ نوشی کے بڑے شوقین تھے ہمیشہ کتابوں کے ڈھیر کے درمیان ، بلکہ کاغذ وقلم دیکھنے کی چھوٹی میز کے پاس ان کا حقّہ تیار رہتا تھا ان کو حقہ نوشی کی ایسی عادت تھی کہ کبھی کبھی تدریس وموعظہ کے وقت بھی پکار اٹھتے کہ حقّہ لے آؤ ۴۸ ،

ایک دن علامہ کے معاصرین میں سے کسی عالم نے تمباکو کی حرمت پر ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اسے بہت ہی نفیس کپڑے میں لپیٹ کر علامہ کے پاس بھیج دیا ۔

علامہ نے مطالعہ کے بعد کتاب تو واپس کر دی مگر کپڑا اپنے پاس رکھ لیا اور جواباً اس عالم کو لکھا کہ :

میں نے آپ کے تحفہ میں کوئی فائدہ کی بات نہیں پائی

مگر صرف ایک پارچہ، تاکہ میں اس سے تمباکو کی تھیلی بنوا
سکوں چنانچہ پڑی ہی خوبصورت بنی ہے اس کی تھیلی ۷۹ء

سفر، سلاحِ قلم کے ساتھ

ان کا عقیدہ تھا کہ ائمہ اطہار " علیھم السلام " و حرمین شریفین میں وہ کچھ ہے جو کتابوں بلکہ روایات میں بھی نہیں مل سکتا اس وجہ سے ان کی شدید مصروفیات اور گوناگوں مشاغل بھی انھیں زیارت مشہد مقدس و خانۂ خدا و عراق کے ائمہ معصومین " علیھم السلام " کے عتبات مقدسہ سے باز نہ رکھ پاتے تھے، فرصت پاتے ہی وہ ائمہ اطہار" علیھم السلام کی پابوسی کے لئے دوڑ پڑتے اور ضریح کے گرد و غبار کو اپنی پلکوں سے جھاڑتے تھے۔

اس سفر میں کبھی بھی اپنے طلبگی کے اسلحوں یعنی قلم کو جو تاریکیوں کو چیرنے اور دلوں کو روشن کرنے والا ہے، اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ اس پر بھی اپنے دل کی طرح دھار لگاتے رہتے، اس سے راز و نیاز کرتے رہتے،

ہاں آئمہ اطہار علیھم السلام سے دعا و توسل کی گنگناہٹ میں ایک موقع آتا کہ قلم دَھرا رہ جاتا کیونکہ اس وقت انھیں ایسا کوئی کلمہ نہ ملتا کہ اس کے وسیلے سے اپنے دل کا راز قلم سے بیان کریں اور قلم صفحۂ کاغذ پر نشاط و وجد میں آجائے۔

علامہ نے " بحار الانوار کی بائیسویں جلد سفر حج سے واپسی کے

بعد نجف اشرف میں تالیف کی ۸۰، اور سفر خراسان سے پلٹتے وقت راستے میں امام رضا علیہ السلام کے خطبہ کا ترجمہ اور رسالۂ وجیزۂ رجب، تحریر فرمایا ۸۱

بیشک انسان کا حقیقی چہرہ اگر دیکھنا ہو تو اسے حالت سفر میں دیکھنا چاہیئے اس کے نظریات، خیالات، دل کی پوشیدہ کیفیات سب کا علم ہو جائیگا

چنانچہ علامہ کے سفر کو طلاب غنیمت جانتے اور ان کے ہمراہ ہو جاتے تاکہ عام، سادہ، و دوستانہ انداز میں ان کے کلام کی سعادت حقیقی کی جستجو کر سکیں

میر محمد خاتون آبادی کہتے ہیں کہ:

میں بچپن میں حکمت و فلسفہ کی تحصیل کا حریص تھا اور اپنا تمام وقت اس میں گزارتا تھا، یہاں تک کہ راہ حج میں "علامہ مولی محمد باقر مجلسیؒ" کی صحبت سے مشرف ہوا ان سے قریبی تعلق قائم کیا اور ان کے نور علم و ہدایت سے بہرہ مند ہوا اور فقہ و حدیث و دیگر علوم کی تحصیل و تتبع میں مشغول ہوا یہاں تک کہ میں نے اپنی عمر کے باقی چالیس سال ان کے فیوض سے مستفید ہونے میں گذار دیئے ۸۲

جس وقت علامہ زیارت کے لئے مشہد مقدس تشریف لاتے تو علماء فضلاء، طلبہ کی ایک جمعیت استفادہ علوم کی خاطر ان سے درس حدیث کا تقاضہ و استدعا کرتی،

علامہ مجلسیؒ نے چہل حدیث "اربعون حدیث"، اسی زمانے میں لکھی تھی ۸۳،

جس وقت علامہ نے مشہد مقدس میں شرح اربعین کو تمام کیا تو اہلسنت کے ایک فاضل نے اس کتاب کو دیکھنے کے بعد از راہ انصاف و

محبت سے کہا :

ہم گمان کرتے تھے کہ پایۂ علمی صرف عربی سے فارسی میں ترجمہ تک منحصر ہے لیکن جب ہم بحار کی کتاب " السماء والعالم " اور ان کی شرح اربعین دیکھی تو مان گئے کہ علامہ مجلسیؒ ایسے دیدہ ور ہیں کہ جن سے بالا علم کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ۸۴

مستقبل خواب میں

تاریخ کا ورق تشیع کے نفع کی طرف کیسے پلٹا اور پھر کس طرح سے تشیع حقیقی ، التقاط وانحراف کے طوفانوں کے درمیان سے صحیح سلامت گذرا ایران تشیع کی سرزمین کیونکر بن گئی اور ایسی کہ اس نے تشیع خالص کے اقدار کو سالم وثابت نسل آئندہ کے سپرد بھی کیا ،

علامہ کی پیدائش اصفہان میں کیسے ہوئی ؟

وہاں وہ پلے بڑھے معاشرے سے آشنا ہوئے ،

اس میں نفوذ واثر پیدا کیا ،

اور کیسے انہوں نے بہت سے اوزان وپیمانوں کو توڑ کر آنے والے کل کیلئے راستہ کھولا ،

اللہ پاک وائمہ اطہار علیھم السلام کی ان عنایات کو ان کے پدر بزرگوار کے سچے خواب میں ڈھونڈھنا چاہیئے ۔

مولی محمد تقی مجلسیؒ خود فرماتے ہیں :

ایک بار میں نجف اشرف میں زیارت مرقد مطہر امیرالمومنینؑ سے مشرف ہوا ، شہر میں داخل ہوتے وقت سردیوں کا موسم تھا ، میں نے طے کرلیا تھا کہ اب نجف اشرف ہی میں رہ جاؤنگا اس وجہ سے کرایہ کا مکان بھی لے لیا اس طرح ایک مدت گذر گئی ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں ہوں ، حضرتؑ نے مجھ پر بہت لطف و مہربانی کی اور فرمایا :

یہاں مت ٹھہرو ، اپنے شہر اصفہان پلٹ جاؤ ۔

چونکہ میں حضرتؑ کے مرقد مطہر کے جوار میں اقامت کا بہت مشتاق تھا اس لئے نجف میں رہنے کے لئے التجا و اصرار کرنے لگا مگر حضرت نے اسے قبول نہیں کیا اور فرمایا :

امسال شاہ عباس دنیا سے جا رہا ہے اس کی جگہ تخت پر شاہ صفی بیٹھے گا ، تمہارے ملک میں سخت فتنہ و فساد برپا ہوگا اور حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان دنوں میں تم اصفہان میں رہو [۸۵]

فصل پنجم

شاہ کی موت

بادشاہ سلامت کی شدید علالت کا زمزمہ محل کے دروازوں کو پار کر گیا اور درباریوں و خواجہ سراؤں میں اس کا غلغلہ ہوگیا،

جس وقت شاہ بستر بیماری پر پڑا ہوا تھا، ملک میں رشوت، بدعنوانی غبن کا مرض پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا کیونکہ درباری وخواجہ سرا بادشاہ کو ملک وعوام کے حالات سے بے خبر رکھے ہوئے تھے،

ایسا شاہ جو کبھی بھی ایک بادشاہ کی طرح نہیں سوچتا تھا اس سے ایک دن کہا گیا کہ ترکوں نے عیسائیوں سے صلح کرلی ہے اور بہت جلد وہ ایران کی سرزمین پر حملہ کردیں گے۔ اس لئے شاہ کو چاہیئے کہ ان کے مقابلے کی تیاری کرے اور دفاع کے وسائل فراہم کرے ورنہ اس کی پوزیشن خراب ہوجائے گی،

شاہ نے بڑی بے پروائی سے کہا:

ارے کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے لئے اصفہان کافی ہے[۸۶]

جب دربار میں علامہ و دیگر علماء آتے تو شاہ زاہدانہ چہرہ بنا لیتا مگر ان کے جاتے ہی حرم سرا میں گھس کر خواجہ سراؤں کے جھرمٹ میں شراب نوشی شروع کر دیتا۔

وہ بزرگان قوم و اسراف کو بھی مجبور کرتا تھا کہ شراب خواری کریں اس میں اسے خاصی دلچسپی تھی۔

درباریوں کے خوف و وحشت نے اسے اس فعل کے لئے مجبور کیا تھا تاکہ اگر وہ اس کی معزولی کا منصوبہ بنائیں بھی تو اس کا اظہار مستی کے وقت کریں[۸۷]

شاہ صفی ہی کی طرح وہ بھی ملکی معاملات سے قطعاً بے اعتنا تھا اور اس کا انتظام خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا[۸۸]۔

علامہ مملکت کے انتظامی امور اور اجتماعی خرابی و فساد اور شاہ کی ریاکاری سے پوری طرح واقف تھے اور ان برائیوں کے مدنظر اپنے مقام سے ایک قدم پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں تھے کیونکہ ان افعال کے انجام بد کو بخوبی جانتے تھے صفویوں کے لرزتے ہوئے کنگروں کو دیکھتے تھے کہ اب وہ ٹوٹ کر گرنے ہی والے ہیں اور اسے بھی بہتر جانتے تھے کہ اس محل کے ڈھیر ہونے پر " کہ متاسفانہ اس وقت کے حالات اور شاہ کی ریاکاری کے نتیجے میں دنیا اسے تشیع کا نمونہ جاننے لگی تھی " تشیع و شیعوں کے لئے خطرہ کا سامنا ہوگا۔

شاہ کا حال روز بروز بدتر ہوتا جا رہا تھا، ایک دن اس نے خواجہ سراؤں، درباریوں، اور کئی وزراء کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ:

اگر امن وصلح وسکون مطلوب ہے تو حسین میرزا کو تخت پر بٹھا دو اور اگر چاہتے ہو کہ ملک ترقی کرے تو عباس میرزا کو منتخب کرلو!

شاہ کی پھوپھی مریم بیگم حسین میرزا کو زیادہ چاہتی تھیں اس لیئے اسی کو تخت پر بٹھانے کا ارادہ کرلیا وہ سخت وجابر عورت تھی اس نے خواجہ سراؤں کو دربار میں بلایا اور بادشاہ کی موت کی خبر دے کر کہا کہ:

میں چاہتی ہوں! کہ حسین میرزا تخت پر بیٹھے۔

خواجہ سرا جو تمام معاملات کو اپنے نفع وضرر کے ترازو پر تولتے تھے انہوں نے دیکھا کہ "حسین میرزا" کے انتخاب سے ہم بہتر طور پر اپنے مقاصد تک پہونچ سکتے ہیں لہٰذا انہوں نے مریم بیگم کی بات سنتے ہی فوراً حسین میرزا کو بادشاہت کے لیئے آمادہ کرلیا۔[۸۹]

حسین میرزا نے اپنے اجداد کی طرح اپنے باپ کی موت کے وقت تک تمام عمر حرم سرا میں گذاری تھی اور بیرونی امور سے کوئی آگاہی نہیں رکھتا تھا،

وہ کان کا کچا اور خرافاتی تھا دوسروں کے کہنے پر چلتا تھا اگرچہ وہ اچھی صورت اور مضبوط قویٰ رکھتا تھا لیکن بدبختانہ اس کے پیر درست ومناسب نہیں تھے اور بطور کلی کہا جاسکتا تھا کہ بادشاہوں کے لیئے جن

صفات روحانی وجسمانی کی ضرورت ہوتی ہے ان میں نہیں تھی ، دوسری طرف اس کا بھائی عباس اگرچہ بیرونی دنیا سے غافل تھا لیکن جنگجو مزاج رکھتا تھا اور اپنی مہارت و دانستگی کو ظاہر بھی کرتا رہتا تھا ۔۹۰

آخری سلطان

۱۴؍ ذی الحجہ ۱۱۰۵ھ کی صبح کو آئینہ خانہ نامی عمارت کو شاہ جوان کی تاج پوشی کے لئے آراستہ کیا گیا ، یہ عمارت چہل ستون جیسی ہے اور دریائے زایندہ کے جنوبی ساحل پر قصر سعادت آباد کے نزدیک ہے ۔۹۱ ،

آئینہ خانہ قمقموں ، قندیلوں سے روشن اور قیمتی سامان سے آراستہ وزراء ، درباریان اور تمام اشراف سے پر تھا جو لباس ہائے فاخرہ لباس وگرانبھا پہنے ایک گوشہ میں کھڑے تھے علامہ جو صف اول میں تھے ذکر و ورد خدائے سبحان میں غرق ، اس تماشے کو بھی دیکھ رہے تھے ، سب منتظر تھے کہ بنا بر رسم قدیم صوفیوں میں سے کوئی ایک بزرگ آگے آئے اور شاہ کی کمر میں سلطنت کی شمشیر باندھے ، لیکن شاہ نے تاجپوشی کے وقت صوفیوں کو اجازت نہیں دی کہ بنا بر رسم قدیم اس کی کمر میں تلوار باندھیں بلکہ علامہ مجلسی رہ کو بلا کر درخواست کی کہ وہ اس رسم کو انجام دیں ۔۹۲ ،

ہر طرف سناٹا چھا گیا ، علامہ آگے بڑھے اور طلا و جواہرات سے مزین شمشیر سلطنت کو ، جس میں لگے ہوئے یاقوت و زمرد کے ٹکڑے کبھی کبھی قندیلوں کی روشنی پڑنے پر جگمگا اٹھتے تھے ، ہاتھ میں لیا اور سنجیدگی کے ساتھ

شاہ جوان کی کمر میں باندھ دیا ،

تلوار کے باندھے جانے کے بعد ہمہموں نے سکوت کو توڑا اور آئینہ خانہ کی فضا کو خوشحالی وشادمانی کی صداؤں نے پر کردیا ۔

ہر ایک دوسرے کے کان میں سرگوشی کرتا اور باآواز بلند شاہ کو مبارکباد دیتا تھا ۔

شاہ حسین کی آواز نے دوبارہ آئینہ خانہ میں سکوت وخامشی پیدا کردی شاہ نے علامہ سے خطاب کرکے کہا :

اس خدمت کے بدلے میں آپ کو کیا چاہیے ——— ؟

اور کیا معاوضہ مانگتے ہیں ——— ؟ [۹۳]

حاضرین جشن کے ذہنوں میں سیکڑوں احتمالی جواب رینگنے لگے اور ہر ایک اس وقت علامہ کی جگہ پر اپنے آپ کو رکھ کر دل ہی دل میں کہنے لگا کہ :

اگر شاہ ہم پر یہ مہربانی کرتا تو ہم کیا مانگتے ——— ؟

مال ، زمین ، قصر ، باغ ، ——— ؟

اکثریت کا خیال تھا کہ علامہ حوزہ ہائے علمیہ کی تعمیر ، امور طلاب کی دیکھ ریکھ ، کتابوں کی طباعت یا کتابخانہ کی درخواست کریں گے ۔

مرد مستقبل

تاریخ انسانوں کے حالات وحوصلوں کو دہرانے والی ہے۔
تاریخ کبھی تو ان انسانوں کی تدبر و دانائی سے پردہ اٹھاتی ہے جنکو اس زمانے کے لوگوں نے نہیں سمجھا تھا،
اور کبھی ان مردان روزگار کی طرف رہنمائی کرتی ہے جنہوں نے تاریخ کو آگے بڑھایا اور جو مستقبل سے آئے مجلسی رہ انہی میں سے تھے وہ آنے والے کل کو دیکھتے تھے اور جو وہ دیکھتے تھے حاضرین مجلس میں سے کوئی بھی نہیں دیکھتا تھا"

وہ جوان بادشاہ کو دیکھتے تھے جو تخت سلطنت پر تکیہ لگا بیٹھنے کے وقت بھی گھوڑے پر سواری کے قابل نہ تھا ۹۴۔
علامہ نے جان لیا تھا کہ یہ ملک کی کشتی کو ساحل تک پہونچانے کے تعلق سے بہت ہی کم عمر اور سادہ و بھولا ہے اور حکومت و فوج کے انتظام

میں اتنا کمزور ہے کہ پڑوسی ملک کے ایک حملہ میں ٹھہر نہ سکے گا۔

انہوں نے اپنی جگہ سوچا کہ اگر شاہ اپنے باپ کی طرح چاپلوسوں اور خواجہ سراؤں میں پھنس گیا اور رعیت وسماج کی اصلاح کی فکر نہ کی تو اصفہان کا ہاتھ سے نکل جانا یقینی ہے،

اس کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ نے شاہ سے وہ چیز مانگی جو حاضرین ہی نہیں بلکہ اس زمانے کے علماء کے ذہن میں بھی نہ تھی،

اس چیز کا سوال کیا کہ جس سے ان کی بلند روح کی عظمت اور سیاسی وسعتِ نظر جھلکتی تھی۔

انگلی سے تین نکتوں کی طرف اشارہ کیا!

وہ تین نکتے جو بڑی بڑی قوموں کے بلند مقاصد کو شکست دے دیتے ہیں اور ان کے پرچم کو ذلت وخواری کے غبار سے آلودہ کر دیتے ہیں یعنی فساد، تفرقہ، وجوان نسل کی بے تفاوتی،

علامہ نے شاہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

میری التجا ہے کہ شاہ ایک فرمان صادر کرے اور منشیات ومسکرات، فرقہ ورانہ جدال ؎ اسی طرح کبوتر بازی کی ممانعت

؎ عوام میں اخلاقی اسلامی قدروں کا خاتمہ جس کا انجام سلسلہ صفویہ کے قطع ہونے پر ہوا اگر اس کا سبب جاننا ہو تو پھر شاہ عباس کی کارکردگی کو دیکھنا چاہیئے شاہ عباس نے اپنے دشمنوں میں تفرقہ ڈال کر عوام کے دلوں میں عداوت وتفرقہ کا بیج بو دیا اور ملک

کردے ،

شاہ نے اسے خوشی سے قبول کرلیا اور فوراً آپ کی خواہش کے مطابق ایک فرمان صادر کردیا ۹۵ ،

منع منشیات والے فرمان میں یہ بھی تھا کہ :

تمام مے خانے توڑ ڈالے جائیں ،

مٹکے اور کوزے چور چور کردیئے جائیں ،

شاہ نے رعایا اور دیگروں کو عملی نمونہ دکھانے کی غرض سے حکم دیا کہ :

قصر کے تہہ خانوں میں جو چھ ہزار بوتل شراب شیرازی و گرجی

کے اندر و باہر بے رحمانہ قتل و غارت ، جیسے کہ گیلان کے عوام کا قتل و گرجستانیوں کے قتل سے لوگوں کا کینہ و غصّہ اور بڑھ گیا اور دوسری طرف یوروپینس کے لیئے ایران کا دروازہ کھول کر شراب خواری ، فساد ، عریانی وجنسی آزادی کو معاشرہ میں رائج کردیا بلا تردید کہا جاسکتا ہے کہ سقوط صفویہ کا عامل شاہ عباس تھا اس کے مرنے کے بعد سلسلہ صفویہ کے سقوط کی الٹی گنتی گنی جانے لگی وہ یوروپین جو اس کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سلسلہ کے منکر نہیں ہیں لاکہارٹ مورخ فرنگی انقراض سلسلۂ صفویہ کے تعلق سے لکھتا ہے " اگرچہ شاہ عباس نے اس ملک کی عظمت و جلال کی بطور نمایاں تجدید کی مگر میں اس کے بعض اعمال کے نتائج نے اس کی بدنصیبی کی تخم ریزی کی "

رکھی ہوئی ہے اسے باہر لایا جائے اور لوگوں کے سامنے اسے
توڑا پھوڑا جائے ۹۶،

اس طرح علامہ نے شاہ کو ترغیب دی کہ دوسرا فرمان صوفیوں کو مطرود کرنے کے لیے جاری کرے۔

ہر چند کہ خود شاہ فرقہ صوفیان کا رئیس و صدر ہو اور اس کے محافظین میں دو سو نفر اس فرقہ سے وابستگی رکھتے ہوں " بظاہر ان لوگوں کے بارے میں فرمان شاہی عمل میں نہیں آیا ۹۷ " ۹۷۔

شاہ کی تاجپوشی عمومی جشن و سرور کا سبب بنی، میدان شاہ اور شہر کے طویل بازاروں میں تمام رات چراغاں کیا گیا۔

شیر و تیندوا اور سرکاری عجائب گھر کے تمام جانوروں کو طبل و شیپوز بجا کر میدان میں نچایا گیا ۹۸۔

دوسرے دن جب دو آدمی شراب نوشی میں مشغول پائے گئے تو انہیں سختی سے تنبیہ کی گئی۔

مومن و باایمان عوام کے پورے وجود کو خوشی و انبساط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ روح اسلام بار دیگر معاشرہ کے جسم میں زندہ ہو گئی ہے۔

پس پردہ سازش

زیادہ دن نہیں گذرے کہ خواجہ سراؤں اور درباریوں نے اپنی حیثیت کو لڑکھڑاتے دیکھا تو چارہ وتدبیر کی تلاش میں ڈوبنے ابھرنے لگے اور مختلف حیلوں بہانوں سے خود کو شاہ کے نزدیک لے آئے پھر اسے ترغیب وتحریص کی کہ وہ زہد وعبادت سے آنکھ پھیر کر عیش ونوش میں لگ جائے۔

خواجہ سراؤں کو بخوبی معلوم تھا کہ شاہ کے بہت سے اعزار واقرباء عیش ونوش کے عادی ہیں، اگر شاہ بھی ان خانگی عیوب میں پھنس جاتا ہے تو پھر ان کا کام بن جائے گا،

وہ لوگ ڈرتے تھے کہ اگر بادشاہ یوں ہی ہوشیار رہے گا تو ان کے پست مقاصد پورے نہ ہوسکیں گے " اس کے لئے انہوں نے رات دن ایک کردیا اور روزانہ نئے نئے حیلوں بہانوں کے ساتھ میدان میں آنے لگے " مگر انھیں جلد ہی معلوم ہوگیا کہ وہ آسانی سے اپنے مطلب کو حاصل نہ کرسکیں گے، کیونکہ شاہ اپنے زمانے کے بزرگ مجتہد علامہ مجلسی رہ کے زیر اثر ونفوذ تھا جو ایک محکم ارادہ والی ہستی تھی ۹۹۔

وہ لوگ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے علامہ اور شاہ کے ارتباط کو ختم کردیں لیکن یہ نہ ہو پاتا تھا۔

البتہ شاہ کو عیش ونوش کی محفل برپا کرنے پر ابھارتے رہتے تھے، ان کے لئے بس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا اور وہ تھا بادشاہ کو شراب پلانے کا۔

یہ خواجہ سرا لوگ مسکرات کے خلاف بادشاہ کے فرمان سے غصّہ میں بھرے تھے اور دیکھتے تھے کہ شراب کے بند ہو جانے سے شاہ کو مے نوش بنا سکتے ہیں نہ ہی اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں ۔

دوسری طرف تمام مشروبات کی کلی ممانعت سے بہت شدید مخالفت پھیلی ہوئی تھی ، شاہی دربار کی محفلوں میں خصوصیت سے یہ ناراضگی پائی جاتی تھی اور ایک ذات جو اس سے سخت خفا تھی وہ مریم بیگم ، شاہ کے باپ کی پھوپھی تھی ،

چنانچہ جب خواجہ سراؤں کو اس کا پتہ چلا تو یہ جان کر کہ سلطان حسین اپنی تخت نشینی میں اس عورت کا مدیون و مرہون ہے ۔

سب اس کے پاس آئے اور مسکرات کے بارے میں فرمان شاہ کی منسوخی کے لئے سازش تیار کی ،

بہت لمبی چوڑی گفتگو اور مختلف حیلوں بہانوں کو گڑھتے ، تراشتے وہ لوگ اس نتیجہ پر پہونچے کہ مریم بیگم خود کو بیمار ڈالیں اور شاہ کو سمجھائیں کہ :

معالجین کی ہدایت کے مطابق اس بیماری کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے تھوڑی سی شراب پینا ۔[۱]

شاہ کا سقوط

اپنے باپ کی پھوپھی کی بیماری سے سخت رنجیدہ و متاثر بادشاہ

نے کسی کو نصف شب جلفا بھیجا کہ بلا توقف تھوڑی سی شراب لے آئے ۔
ارمنی "عیسائی" شراب فروشوں نے خیال کیا کہ یہ فریب ہے اور یہ لوگ ہمیں پھنسانا چاہتے ہیں، اس لئے انہوں نے کہا :

بعد از صدور فرمان شاہی کسی میں شراب سازی کی جرأت نہیں ہے نیز یہ کہ وہ ایک قطرہ شراب نہیں رکھتے ،

جب شراب نہیں ملی اور وہ لوگ جو اسے چھپائے ہوئے تھے سزا کے خوف سے اپنے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتے تھے ناچار خواجہ سراؤں نے شاہ سے کہا کہ :

ممکن ہے کہ ھنگری کا سفیر اس وقت اصفہان میں موجود ہو اور اپنے عہدے کی اہمیت کے باعث مسکرات کی ممانعت والے فرمان پر عمل کے لئے مجبور نہ ہو اس لئے شراب کی تھوڑی مقدار کا اس کے پاس ہونا بعید نہیں ہے ۔

اتفاق سے یہ اندازہ صحیح نکلا اور بادشاہ نے خود پیالہ میں شراب انڈیل کر اپنے ہاتھ سے مریم بیگم کو دی ،

یہ حیلہ گر و بہانہ جو عورت جس نے اپنا سبق پہلے سے خوب یاد کر رکھا تھا بادشاہ سے بولی :

کہ وہ اس وقت تک شراب پینے پر راضی نہ ہوگی جب تک پہلے بادشاہ اسے چکھ نہ لے ،

اور جب سلطان حسین نے کہا کہ وہ مجبور ہے ،

ممانعت مسکرات کے فرمان کی وجہ سے شراب کو ہونٹ سے بھی نہیں لگا سکتا

تو مریم بیگم نے کہا:

سلطنت کا مقام و مرتبہ شاہ کو ہر قانون سے برتر قرار دیتا ہے،

پھر اس عورت نے آگے کہا کہ :

ہمارے بزرگ و اجداد نہ صرف یہ کہ خود شراب پیتے تھے بلکہ اپنے درباریوں کو بھی میگساری کی طرف رغبت دلاتے تھے ۔

سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ :

اس کے آبا و اجداد شراب کی مدد کے بغیر ملک کے سنگین بار کو اپنے کاندھے پر اٹھا ہی نہیں سکتے تھے اور اسے جاننا چاہیئے کہ وہ خود شراب کو ترک کر کے کس قدر خستگی ، اضطراب و سوز زندگی کو برداشت کر رہا ہے ۔

پھر بولی :

اگرچہ وہ یقین رکھتی ہے کہ شراب کے پینے سے اس کی عمر طویل ہو گی مگر جب تک شاہ پیش قدمی نہ کرے وہ خود اس کو ہرگز ہاتھ نہیں لگائے گی ۔

شاہ اس عورت کے مسلسل اصرار و تقاضا و ضد کی تاب نہ لا سکا ،

ناچار پیالہ کو بھرا اور پی گیا،

پھر تو ایسے نشے میں آیا جسے وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

دھیرے دھیرے وہ پکا شرابی ہی نہیں غرق شراب ناب ہو گیا ۔

اس طرح کے شاذ و نادر ہی کبھی ہوشیار نظر آتا اور نتیجہ میں امور سلطنت پر قادر نہیں رہ گیا تھا[101] ۔

برسرمحاذ

بہر حال خواجہ سراؤں اور شاہ کی پھوپھی کی سازش کامیاب ہوگئی اور شاہ مے نوشی کے جال میں پھنس گیا اس سازش وفریب کاری کا قطعی نتیجہ خواجہ سراؤں کی بڑی کامیابی تھی ،

لیکن پھر بھی یہ لوگ اپنے اصل مقصد یعنی علامہ مجلسیؒ و دیگر تمام مجتہدین کو دربار سے ہٹا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے ۔

اس لیے ان دونوں گروہوں میں رقابت وسخت دشمنی کا آغاز ہوگیا اور اس کشمکش میں اعیان واشراف بھی شامل ہوگئے جو اپنا اثر ختم ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے تاکہ اپنی سابقہ قدرت واعتبار کو دوبارہ حاصل کرسکیں [۱۰۲] ۔

علامہ ان گروہوں کے مقابلے میں جم گئے تاکہ قوانین اسلام کا اجرا واثبات ہوسکے ۔

شاہ کی طرف سے منع مسکرات کے فرمان کا منسوخ کیا جانا ، درباری و سرکاری محافل میں علامہ کی سیاسی شکست مانا جاتا تھا مگر یہ واقعہ اس کا موجب نہ بن سکا کہ علامہ سیاست کے میدان کو ترک کردیں چونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ شیخ الاسلامی کا عہدہ چھوڑ دینے کے نتائج خراب ہوں گے اور اس کا برا اثر حوزہ ہائے علمیہ پر بھی پڑیگا

دوسری طرف علامہ ان کو آسانی سے زیر کرسکتے تھے مگر خوف تھا کہ کہیں اس مسئلہ کو کوچہ د بازار میں نہ لے آیا جائے اور گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن

جو دربار کو کمزور کرنا چاہتے ہیں خود کو حملہ پر آمادہ نہ کریں ، ایسی صورت میں اس ٹکراؤ کی پہلی قربانی سرحد کی ہزاروں عورتیں ، بوڑھے و جوان مرد ہوں گے ۔

اس سے قطع نظر کہ علامہ دشمنوں کی نظر میں ایران کی قدرت مند ترین شخصیت تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ علامہ بہ سرعت تمام لوگوں کو ان کے خلاف حرکت میں لا سکتے ہیں اور ان کا " حضور " علامہ کی " عینیت " کی وجہ سے ہے

پھر بھی علامہ نے تشیّع اور ہزاروں شیعوں کے جان و مال کے تحفظ کی خاطر خاموشی اختیار کر لی ایسی خاموشی جو تاریخ نویسی اور اہل قلم کے دامن پر ننگ داغ بن گئی۔

کہ ان کے اس جانکاہ غم کو وہ لوگ کاغذ پر نہیں لائے اور اس سے زیادہ ننگ ان روشن فکروں کے لئے تھا جو علامہ کی سیاست و دانائی سے بے توجہ دے تفاوت گذر گئے ۔

سلطان حسین نے لوگوں کو مطمئن کرنے اور علماء سے اپنی وابستگی ظاہر کرنے کی غرض سے ایک نیا عہدہ بنام " ملا باشی " ، [۵] ایجاد کیا جو شیخ الاسلامی

---

[۵] شیخ الاسلام قضاوت و عدالت کا عالی ترین عہدہ تھا اس کے دیگر وظائف و کارمنصبی میں یتیموں اور مفقود الخبر افراد کے اموال کی رسیدگی بھی تھی ، ایران کی شیخ الاسلامی عثمانی حکومت کی شیخ الاسلام سے متفاوت تھی ، عثمانی حکومت میں اصولاً شیخ الاسلام کی طاقت و قدرت سلطان کے زیر نظر تھی کیونکہ حکومت عثمانی کے علماء کی نظر میں سلطان ولی امر تھا اور اس کا حکم واجب الاطاعۃ تھا جبکہ ایران و نظام تشیع میں علماء و شیخ الاسلام شاہ کے حکم کو واجب الاطاعۃ نہیں جانتے تھے اور کئی موقعوں پر بہت سے مسائل میں ان کا حکم شاہ کے خیال و روش کے خلاف ہوتا تھا ۔

سے بڑا تھا اور اس عہدہ کو علامہ کے لئے مخصوص کر دیا ۱۰۳،

اگرچہ سلطان حسین علامہ کے ساتھ گہری عقیدت وانس کا اظہار کرتا تھا اور ان کے کاموں اور ثقافتی امور کے بجٹ میں ان کا ساتھ دیتا تھا لیکن زیادہ توجہ ان ہی لوگوں پر دیتا تھا جو اسی کے لئے عیش ونوش کا سامان فراہم کرتے تھے، اور درحقیقت حقیقی طاقت اس کمیٹی کے ہاتھ میں تھی جو حرم سرا کے خواجہ سراؤں پر مشتمل تھی ۱۰۴۔

شاہ حسین خونریزی سے نفرت کرتا تھا اور گنہگاروں کو موت کی سزا دینے کی قطعاً اجازت نہ دیتا تھا بہت سے جرائم کے لئے اس نے نقد جرمانہ معین کر دیا تھا خواجہ سراؤں کو بھی یہی پسند تھا ۱۰۵۔

درحقیقت انہوں نے شاہ کو ہاتھ کی انگوٹھی بنا لیا تھا اسے جدھر چاہتے تھے گھماتے پھراتے رہتے تھے،

دوسری طرف خواجہ سرا باہم صرف انہی باتوں پر متحد تھے جس میں ان کے مشترک مصالح ومنافع ہوں ورنہ سفید فام وسیاہ فام خواجہ سراؤں میں دشمنی ورقابت موجود تھی جس وقت وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے نہ تھے تب بھی محض، کتابوں، اشعار وخوراک کی بحث وگفتگو کرتے اور ملکی مسائل پر کوئی توجہ نہ دیتے تھے ۱۰۶

یہ لوگ جب بھی شاہ کو کوئی مشورہ دیتے تو شاہ ہمیشہ یہی کہتا تھا:

"یاخشی دیر" یعنی اچھا ہے،

اور اسی لئے شاہ کا لقب ہی یاخشی دیر پڑ گیا تھا ۱۰۷۔

یہ سب چھوڑ کر ہم ایک ناگفتہ حقیقت بیان کرتے ہیں کہ علامہ اپنی

تمام ہوشیاری ونکتہ سنجی وبہت سے التقاطی وخارجی گروہوں پر فتح وکامیابی کے باوجود اس چاپلوس وروز آنہ کے نرخ پر روٹی کھانے والے گروہ پر جو چند روز کی آسائش و راحت کے لئے اپنے دین و وطن سے خیانت کیا کرتے ہیں غلبہ حاصل نہ کرسکے ایسے بے درد وآرام طلب گروہ کی خیانت سے تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے ۔

ہمدم ودم ساز کتاب

بس کتابیں یہی علامہ کی مونس وہمدم تھیں وہ مطالعہ کے دوران اتنا ہی کیف ونشاط محسوس کرتے جتنا طلاب کے درمیان رہ کر خوش وخرم رہتے،

صرف کتابیں ہی ان کی زندگی کا سرمایہ تھیں وہ ہر ایک کتاب کو اپنی اولاد مانتے تھے اور وہ یوں کہ ہر ایک سے بات کرتے اس کی بات سمجھتے جس میں سے بہت سی تو ایسی تھیں جو صدیوں پہلے یورپ میں لکھی گئی تھیں اور سال ہا سال تنہائی وکسمپرسی کے صندوقچے میں بند خاموش وبے صدا اور لبوں پر مہر سکوت لگائے پڑی تھیں ۔

علامہ کے سامنے انہوں نے اپنے لب کھولائے اور اپنے دل کے اندر چھپے ہوئے اسرار ورموز کو واضح انداز میں دہراتی تھیں ۔

بہتوں نے تو علامہ کے سایہ میں دنیا دیکھی اور علامہ ہی کی طرح اپنے زمانے کے حوادث کی ناظر ونگراں رہیں ۔

علامہ کو کتابوں سے عشق تھا اور کتابوں کو بھی ان سے گہرا لگاؤ تھا

وہ ہر روز اس قبیلے کے اجنبی و مسافر کو اجنبیت و غربت سے نجات دیتے تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے رہتے تھے ان کی آرزو تمام کتب شیعہ کی جمع آوری تھی اور ان کی جمع آوری کی تپش میں برابر جلا کرتے تھے ۔

شیخ صدوق کی تالیف " مدینۃ العلم " (جو کتب اربعہ شیعہ کے بعد پانچویں کتاب مانی جاتی تھی اور شیعوں کے ایک گرانبہا آثار میں اس کا شمار تھا) کا فقدان ان کو ہمیشہ رنجیدہ رکھتا تھا ۔

دانشمندوں و بزرگوں کے مطابق شیخ صدوق کی دس جلدی تالیف " مدینۃ العلم " من لایحضرہ الفقیہ " سے بھی ضخیم تھی اور شیخ بہائی رہ کے والد کے زمانے تک موجود تھی ۔

علامہ نے اس گرانبہا تالیف کی تلاش میں بہت مال و زر خرچ کیا اور لوگوں کو اردگرد و اطراف میں دوڑایا مگر اسے نہیں پا سکے [۱۰۸] یہاں تک کہ ان کو خبر ملی کہ " مدینۃ العلم " کا ایک نسخہ یمن کے کتاب خانوں کی زینت بڑھا رہا ہے ۔

علامہ نے یہ مسئلہ بادشاہ کے سامنے رکھا تو شاہ نے اپنے سفیر کو کافی تحائف وگراں قدر ہدایا کے ساتھ بادشاہ یمن کے پاس روانہ کیا اور اس سے کتاب " مدینۃ العلم " کی درخواست کی لیکن نہ معلوم اسباب سے علامہ تک وہ کتاب کبھی نہیں پہونچی [۱۰۹] ۔

ان کے کتاب خانے میں پدر بزرگوار مولی محمد تقی مجلسی رہ کی کتابوں کے علاوہ دوسرے بہت سے علماء کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد اضافہ ہوا اس طرح علامہ کا کتاب خانہ اس زمانے کے عظیم ترین کتاب خانوں میں تھا اور بلا تردد کہا جاسکتا ہے کہ وہ تشیع کی تاریخ میں نفیس ترین وگرانبہا ترین کتاب خانہ تھا مثال کے

طور پر علامہ اصول چہار صد گانہ[ص] معتبر شیعہ میں سے دو سو اصل کے مالک تھے[۱۱۰]۔

علامہ نے اپنے علمی و فکری عمل کو جاری رکھتے ہوئے، بہت سی قدیم کتابوں کو حیات نو بخشی جو علماء نے گوناگوں مسائل پر لکھی تھی اور طلاب کو اس کی نقل و نسخہ برداری کی ترغیب دی اور شوق و ذوق پیدا کیا ایسی کتابیں جسے نہ کوئی جانتا تھا نہ مطالعہ کرتا تھا جو غربت و بے چارگی کے غبار تلے ڈھکی چھپی ہوئی تھیں ان پر اپنے مبارک خط سے تحریر فرمایا کہ:

یہ کتاب غریب و اجنبی ہو چکی تھی اور اسے کوئی پڑھتا نہیں تھا[۱۱۱]

بحار الانوار سب کیلئے

اگر ہم گذشتہ تاریخ کی ورق گردانی کریں اور خود کو اس زمانے کے شیعوں کی جگہ پر تصور کریں اور مختلف فرقوں و گوناگوں حکومتوں کے ذریعہ آثار اہلبیت[ص] کی نابودی کے شاہد ہوں اور اگر با عظمت علماء اسلام کی بلند روح کا ادراک کر سکیں اور ان کے قلب کے دریچوں میں سر ڈال کے اندر جھانک پائیں تو سوائے خدا اور اسلام کے اہداف و مقاصد کے اور کچھ نہیں نظر آئے گا۔

[ص] اصول اربعماۃ یا اصول چہار صد گانہ، چار سو رسالے د لنوشتے تھے جسے حضرت امام صادقؑ کے شاگردوں نے آپ کے دروس کو بصورت حدیث لکھا تھا۔ جسے اصول اربعہ کا ماخذ و منبع مانا جاتا ہے۔

اگرچہ ٹھیک معلوم نہیں کہ شاہی دور میں ہر کتاب کی ابتدا میں جو بادشاہوں کی لمبی چوڑی تعریف و توصیف ہوا کرتی تھی وہ ان ہی علمائے اسلام کی تحریر ہوتی تھی یا کتاب فروش یا ناشر یا تزئین کار اس پر اضافہ کر دیتے تھے۔
یا ایسا تھا کہ وہ خود تو مختصر کلام پر اکتفا کرتے مگر بگڑی کی خاطر تقسیم کار و خطاط وغیرہ اس میں حاشیہ و جھالر لگا دیتے،

بہر حال جو بھی ہو واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں کتاب کی ابتداء میں شاہوں کا نام درج کرنا نہ صرف بادشاہوں کو اصول تشیع کی پابندی کی طرف تشویق دلاتے اور بہت سے شہروں اور ملکوں میں جہاں تشیع سے بغض و عناد رکھا جاتا ان پر تشیع اور شیعوں کی طاقت دکھانے کا موجب ہوتا بلکہ زمانے کی گزند سے کتاب کے محفوظ و سالم رہنے کے لئے ایک سپر بھی بن جاتا اور وہ یوں کہ کتاب کو پھاڑنا یا جلانا بادشاہ کے نام کی شمولیت کے باعث، لائق دست اندازئ قانون ہو جاتا چنانچہ علامہ کی بہت سی فارسی کتابوں کی ابتداء میں شاہوں کا نام نمایاں نظر آتا ہے، لیکن علامہ نے اپنے بزرگ و جاوداں اثر " بحار الانوار "، میں کسی شاہ کا نام نہیں لیا ہے۔
اور ان کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے جب کہ شاہوں نے دور دراز کے علاقوں سے مآخذ و مدارک کی جمع آوری میں ان کی مدد بھی کی تھی اور اس کتاب کی اہمیت و قیمت کو محسوس کرتے ہوئے امید میں تھے کہ ان کا نام لیا جائیگا۔ مگر علامہ نے کوئی نام شامل کتاب نہیں کیا۔

ایمان کا چاووش "ہراول دستہ"

جمعہ کے دن ، اصفہان کی جامع مسجد مختلف نسل و قوم کے افراد سے مملو و پرتھی لوگ گذشتہ ہفتوں کی طرح علامہ کے موعظ کا انتظار کر رہے تھے تاکہ ان ساعتوں میں جو خدا و ملائکہ خدا کی ہوتی ہے انھیں بھی خدا کی رضا و خوشنودی حاصل ہو جائے۔

مجمع کی صلوات کے ساتھ علامہ منبر پر تشریف لے گئے اور خدائے یکتا و ھمتا کی حمد و رسول خدا ص و اہل بیت عصمت و طہارت علیھم السلام پر صلوات سے کلام کی ابتدا فرمائی،

مگر آج علامہ کی لحن و طرز ادا گذشتہ دنوں سے متفاوت تھی، انہوں نے صلوات وسلام اور اقرار شہادتین کے بعد اعتقادات تشیع کو یکے بعد دیگرے بیان کرنا شروع کر دیا پھر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یہ میرے اعتقادات تھے میری خواہش ہے کہ آپ نے جو سنا ہے اس کی گواہی دیں ۱۱۲ ۔

اسی وقت حکم دیا کہ ان کا کفن لایا جائے، کفن دیکھتے ہی لوگ رونے لگے پوری مسجد میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی ، مومنین، طلاب و علامہ کے شاگرد سب کی نگاہیں اس متبرک کفن پر جم گئیں جو آج تک ان کے جسم مطہر پر صحیح وسالم موجود ہے ۱۱۳

۱۱۲ سید نعمت اللہ جزائری کے مطابق یہ واقعہ روز جمعہ ۱۰۷۰ھ کا ہے " روضات الجنات ج ۲ ص ۸۹ "

بہر حال اس واقعہ کو کئی سال بیت گئے علامہ ان دنوں میں شیخ الاسلامی، ملا باشی وامامت جمعہ کے عہدوں پر فائز تھے اس کے علاوہ ان کی بے حساب خدمات دینی، بہت سے سنن حسنہ کی بنیا درکھنا جو احادیث وروایات سے ماخوذ تھی،

کفن پر چالیس مومنین کی شہادت لکھنا ان میں سے ایک تھا اس کے سوا علامہ نے حوزہ علمیہ کے فکری وثقافتی نظام میں مسلک ومشرب کی بنا ڈالی تاکہ اصولیین و اخباریوں کے درمیان کی دیوار ڈھے جائے ۔

علامہ کی ضریح مقدس کے نصب کی یادداشت،

استاد برق کش جو پیرمرد تھے اور ضریح کو بٹھانے کی نظارت پر متولیان کی طرف سے مامور تھے کہتے ہیں کہ: جب ہم نے اس اینٹ کو نکالنا چاہا جو باہر نکلی ہوئی تھی ناگاہ اس میں ایک سوراخ ظاہر ہوا اس میں ہم نے ٹارچ جلائی تو سوراخ سے اسی سینٹی میٹر پر میری آنکھ ایک کفن پر پڑی خوب غور سے دیکھا کفن صحیح وسالم نظر آیا اور کفن میں جو جنازہ تھا وہ بالکل تازہ قبر میں رکھا لگتا تھا، کفن سے پائے مبارک دکھائی دے رہے تھے بندہائے کفن کھلے ہوئے تھے اور پیر کے نیچے کفن کا زیادہ کپڑا جمع تھا، جی چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر ان کے پائے مبارک کو پکڑ لوں مگر ہمت نہ کر سکا تو دل میں آیا کہ دیکھوں تو کہ کفن کس کپڑے کا ہے چونکہ میں نے سنا تھا کہ قدیم زمانے میں کفن کرباس کا ہوتا تھا جب بہت توجہ کی تو پتہ چلا کہ کفن متقالی ہے اور زردی مائل سفید ہے اسی اثنا میں دوسرا پتھر برطرف ہوگیا اور کفن پر کچھ مٹی آگئی تو میں کانپ گیا کہ کہیں میں نے عالم کی نبش قبر کر کے عذاب الہٰی تو مول نہیں لے لیا دوسرے یہ اگر مقبرہ کے باہر موجود زوّاروں کو معلوم ہو گیا کہ مرحوم مجلسی کا کفن ظاہر ہوگیا ہے اسلیئے جلدی جلدی اینٹیں برابر کر دی "یادنامہ علامہ مجلسی ؒ ص ۲۸"

علامہ اخباری مسلک کے ایسے مجتہد تھے جو اخباریوں کے اصول پر دل لگائے ہوئے تھے نہ ہی مجتہدین کے تمام قواعد سے کام لیتے تھے[۱۱۳]، وہ متوسط مسلک اور بغیر تعصب کے مسالمت آمیز روش رکھتے تھے[۱۱۴]۔

اس کے بارے میں خود کہتے تھے کہ میں تمام کاموں میں وسط کی حد کا خیال رکھتا ہوں[۱۱۵]۔

عالم تشیع میں علامہ کی خدمات اس قدر زیادہ اور ایسی ہیں کہ وہ علمائے اسلام میں "باب الائمہ" کے لقب سے مشہور ہیں۔

ایک دن شیخ محمد حسن اصفہانی صاحب جواہر الکلام نے اپنے جلسۂ درس میں فرمایا:

> کل رات میں نے خواب میں ایک بہت بڑا جلسہ دیکھا جس میں بہت سے متقدمین و متاخرین علماء بیٹھے ہوئے تھے میں نے دربان سے اجازت لی اور اس نورانی محفل میں شریک ہو گیا مجمع میں علامہ مجلسی رہ کو دیکھا کہ تمام علماء کے آگے بیٹھے ہوئے تھے مجھے تعجب ہوا، دربان سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا: کہ علامہ مجلسی رہ اماموں کی نظر میں "باب الائمہ" کے لقب سے مشہور ہیں اور یہ اس لئے کہ علامہ نے زوّار اہلبیت علیہم السلام کے لئے سنت چاووشی ؎ برقرار رکھی ہے[۱۱۶] یعنی وہ ہراول

؎ شیخ عباس قمیؒ (رہ) فرماتے ہیں کہ شاید چاووشی سے مراد ان بزرگوار کی مولفات و مصنفات

دستہ جو زوّار کا نقیب بن کر انھیں آگے بڑھاتا رہتا ہے ۔

نورانی وصیت

ان کی پر بار و پرثمر زندگی کے اکہتر سال پورے ہو چکے ۔
کون سے اکہتر سال جس کا ہر دن خشک و تپیدہ دلوں پر رحمت خدا کی بارش کا خنک قطرہ تھا ۔
اکہتر سال کی خستگی ناامیدی کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ نہ دی اور تشیع کے علو و بلندی کی خاطر اپنی جان کے لئے بے حساب رنج و غم مول لئے ۔
ان کے قلب نورانی اور ریش مبارک کا رنگ ایک ہو گیا تھا وہ دنیا میں یوں رہے کہ ان کے ہاتھ نے سوائے خانہ علی "علیہ السلام" کے کسی گھر پر دستک نہ دی اور قلم نے بجز قال الباقر " علیہ السلام" قال الصادق ۔ علیہ السلام " کے کچھ نہ لکھا ۔
ہاتھ میں قلم لیا اور یوں تحریر فرمایا :
حمد و ستائش مخصوص ہے خدا کے لئے کہ وہ باقی ہے اور بس ۔
عظمت ، تسلط و حکومت اسی کی پائیدار ہے وہ ایسی ہستی ہے کہ قدرت و بقا کی وجہ سے گرامی ہے اور اپنے

ہوں اور زائرین سے مقصود وہ لوگ ہیں جو ان کے حرم قدس کا ارادہ رکھتے ہوں (یعنی ان کتابوں کے علوم سے بہرہ مند ہوتے ہوں) فوائد رضویہ (ص ۱۶۴ "

بندوں کو مرگ و فنا سے مقہور بنایا ہوا ہے ، پوشیدہ و آشکار
نعمات کا دینا بس اسی کی ذمہ داری ہے ۔
درود مسلسل رسولوں کے سردار فخر عالمیان و شفیع گنہگاران حضرت
محمد بن عبداللہ ، " صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " اور ان کے اہلبیت
علیھم السلام " پاک پر جو شفیعان روز جزا ہیں ، علی الخصوص
حبیب و وصیٔ محمدؐ اور ان کے اصلی جانشین امیر المومنینؑ اور
برترین اوصیاء پر ،

اما بعد :

یہ وصیت نامہ جس میں ایک بندۂ گنہگار ، خطا پیشہ لغزشکار ، کوتاہی
کرنے والا ، نارسا محمد باقر ابن ملا محمد تقی " کہ اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں
دیا جائے اور اس کا محاسبہ آسانی سے ہو جائے " اپنے فرزندان و خویشان و دوستان
و ہم وطنان اور تمام با ایمان افراد کو وصیت کرتا ہے ۔
پھر علامہ اقرار وحدانیت اور روز جزا کی گواہی اور بہشت و دوزخ کے
بارے میں اپنے عقائد کو یکے بعد دیگرے بیان کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں ۔
میں اپنے خطا کار نفس اور جملہ مسلمانوں کو تقویٰ و فرمان الٰہی کی
تعمیل اور اس کے غضب سے بچنے اور تمام امور دین و دنیا میں
توکل بخدا کی وصیت و سفارش کرتا ہوں اور اللہ کی مضبوط و محکم
رسی سے تمسک یعنی پیروی آثار آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیھم
اجمعین اور ائمہ ہدیٰؑ کے آثار کی نشر اور ان کے اخبار و احادیث

کی ترویج میں پوری کوشش کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ میری نظر میں فی زمانہ درجات عالیہ وسعادت باقیہ تک پہونچنے کا کوئی وسیلہ ان اخبار وآثار ائمہ ع سے زیادہ مضبوط نہیں ہے۔

برکات ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے نجات کی راہوں میں جو یقین مجھ پر آشکار ہوا اسے میں نے اپنی فارسی، عربی مصنفات میں اسی اندازہ و حساب سے بیان کردیا ہے جو حق ویقین کے طالب کے لئے کافی ہو سکے خصوصًا اپنے دو رسالۂ عقائد اور کتاب حق الیقین میں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[۱]

اس کے بعد علامہ اپنے فرزندوں کو وصیت کے ضمن میں اپنے اور اپنے والد کے تمام عربی و فارسی نوشتوں کو تمام مومنین پر وقف کرکے موقوفہ املاک کی کیفیت وشرائط کو معین کرکے آخر میں اس کی تاریخ یوں لکھتے ہیں۔

یہ وصیت نامہ ۲۰ شعبان المعظم ایک ہزار ایک سو آٹھ سن ہجری میں لکھا گیا۔

آخری افطار

ان مومنین کی نگاہ میں جنہوں نے ماہ رمضان ۱۱۱۱ ھ کے چھبیس روزے پورے کرلئے ہوں، نور ایمان اپنی چمک دکھانے لگتا ہے، سبھی عید الفطر کے انتظار میں دن گننے لگتے ہیں مگر علامہ جو اپنی عمر کے ۷۳، رمضان گذار چکے تھے ان کی حالت جدا

تھی ان کی آنکھوں میں سرور وشادمانی موجیں مار رہی تھی ،

ایسا سرور جو اس سے قبل والے رمضان کے مہینوں میں کسی نے نہیں دیکھا تھا ،

یہ رویت ہلال کی مسرت نہ تھی بلکہ دوست کے دیدار کا سرور تھا ۔

چند دن پہلے بیمار ہوئے ،

بستر سے نکل کر سجادۂ نماز پر آتے نماز و تسبیح و ذکر و ورد کے بعد افطار کر کے پھر بستر پر چلے جاتے ۔

شاید مومن کے لئے بستر مرگ سے زیادہ دلکش و حسین جگہ کوئی اور نہ ہو ،

وہ بستر جو اسے عالم خاک سے جدا کرنے کا دریچہ بنتا ہے ، اور پھر ایک محراب بن جاتا ہے ، جس میں وہ خدا سے ملاقات کرتا ہے ،

ایسا بستر جو اسے منافقت ، شور وغل ، غرور جاہ ، زخم زبان اور غیر خدا کے تمام رنگ وبو سے رہائی دلا دیتا ہے ۔

وہ ایک نرم وگداز بادل کی طرح اسے اپنے کندھے پر سوار کر کے چل پڑتا ہے اور لطافت وحسن کا نظارہ کراتا ہوا اس جگہ پہونچا دیتا ہے جہاں سوائے اسلام کے کوئی کلام ہوتا نہ تعبد و بندگی کے علاوہ کوئی مقام ورتبہ ،

علامہ بستر پر آرام سے لیٹے لیٹے سر کو کمرے کے مختلف گوشوں کی طرف پھراتے رہتے ، اور قلم دکاغذ وکتابوں اور سجادہ ومہر " سجدہ گاہ " کو جو ان کی زندگی کا حاصل اور دفاع حریم اہلبیت علیہم السلام کا واحد اسلحہ تھا ، دیکھتے رہتے ،

شمع کی مدہم روشنی میں ان کی دردناک ومنور آنکھوں میں ایک بڑا غم

بیٹھا ہوا تھا۔

بعد میں واقع ہونے والے حادثات کی تصویریں آنکھوں کے سامنے سے یکے بعد دیگرے گذر رہی تھیں،

حکومت کا بکھراؤ ؎ اصفہان میں قحط وگرسنگی، محمود افغان کا حملہ، اصفہان کا سقوط، کتابوں کی آتشزدگی، علماء کا قتل، یہ تمام خدشات درد وغم کو بڑھا رہے تھے۔

ایک لحظہ کے بعد انہوں نے ان متحرک تصاویر کو آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا، ذہن کو ان چیزوں سے پاک وصاف کیا جو ان کے سفر آخرت میں مانع ہو نگاہ کو در دیوار، کتاب وقلم اور ہر شی سے پھیر کر دروازہ پر جما دیا اور اس کے انتظار میں محو ہو گئے، جسکے عشق میں ہر مومن زندہ رہتا ہے اسی کے عشق میں اپنی جان پر سختیاں مول لیتا ہے، اسی کے عشق میں زخم زبان کو برداشت کرتا ہے، اسی کے عشق میں کھاتا پیتا اور سوتا جاگتا ہے اور آخر میں اسی کے عشق میں جان کو ملک الموت کے حوالے کردیتا ہے اور عشق لقاء الہی کے دریا میں ڈوب جاتا ہے۔

●

؎ علامہ کی وفات کے بعد اسی سال فتنوں کا آغاز ہوگیا اور قندھار کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا "قصص العلماء ، ص ۲۰۵"

غروب آفتاب بوقت سحر

۲۷ ر رمضان کی صبح شہر اصفہان کو غم کے ہالہ نے گھیر لیا تھا جیسے شہر ایک ایسی خبر کے انتظار میں تھا جسے سنکر وہ ملبوس عزا پہن لے ۔

پورے شہر پر موت کے سناٹے کی حکمرانی تھی، روزہ دار لوگ دروازے بند کر کے سوئے ہوئے تھے مگر اس سے بے خبر تھے کہ شہر کے تمام کوچوں میں عزا ان کی مسرت پر گرد و غبار بکھیر رہی ہے ۔

ہر جگہ طرح طرح کے لوگ رہتے ہیں اچھے بھی برے بھی، چنانچہ ایسے ہی ایک شخص نے جو علامہ کی بدگوئی و بدخواہی میں لگا رہتا تھا ایک خواب دیکھتا ہے، صبح ہوتے ہی وہ اپنے دوست کے گھر جاتا ہے اور اپنا خواب یوں بیان کرنے لگتا ہے [۱۱۸]،

میں نے گذشتہ شب خواب دیکھا کہ علامہ مجلسی رہ دنیا سے گذر گئے ہیں ہم دونوں علامہ کے دروازہ پر پہونچے تو مجلسی سو رہے تھے ناگہان پیغمبر ص اور جناب امیر داخل ہوئے، پیغمبر ص نے ان کا دایاں ہاتھ اور حضرت امیر ع نے بایاں ہاتھ پکڑ اور فرمایا :

اٹھو ! چلیں اور انھیں اپنے ہمراہ لے گئے ،

دوست کی نگاہ سے وحشت ٹپک رہی تھی ، اس نے بالکنت یہ فقرا ادا کیا، میں نے بھی کل رات ایسا ہی خواب دیکھا ہے ۔

دونوں آگے کچھ نہ بولے اور تیزی سے علامہ کے گھر کی طرف چل دیئے گلیوں، اور سڑکوں کو پار کرتے ہوئے لب پر یہی دعا کہ وہ زندہ ہوں تاکہ ان سے معافی طلب کی جائے،

اسی فکر میں گم راستہ طے کرتے رہے اور پتہ نہ چلا کہ کتنی مسافت طے کرچکے ہیں ناگہاں اپنے تئیں علامہ کے مکان کے دروازہ پر پایا،

گھر میں داخل ہوں یا نہ ہوں،

ابھی یہ فیصلہ کرنہ پائے تھے کہ علامہ کے مکان سے نالہ وشیون کی آوازیں آنے لگیں ۔

سلام ان پر اس دن جب وہ دنیا میں آئے اور جب دنیا سے گئے
اور جس دن وہ خداوند سبحان کی بارگاہ میں پلٹائیں گے ۔

منابع و مآخذ

۱ قصص العلماء، ص ۲۰۶ ،

۲ زندگی نامہ علامہ مجلسیؒ ج ۱ص ۱۵۰ ،

۳ قصص العلماء ص ۲۰۷،

۴ الذریعہ ج ۱ ص ۱۵۱

۵ قصص العلماء ص ۲۰۹

۶ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۵۳

۷ ریاض العلماء ج ۵ ص ۴۰

۸ کارنامہ علامہ مجلسی ص ۱۴۵

۹ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۴۵

۱۰ کارنامہ علامہ مجلسی ص ۱۴۵،

۱۱ ترجمہ ریحانۃ الادب ج ۵ ص ۲۰۱

۱۲ ترجمہ روضات الجنات ج ۲ ص ۳۲۱

۱۳ فوائد رضویہ ص ۴۱۱

۱۴ ترجمہ روضات الجنات ج ۲ ص ۳۲۱

۱۵ ترجمہ روضات الجنات ج ۲ ص ۳۲۲

۱۶ قصص العلماء ص ۲۳۳

۱۷ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۵۵ ،

۱۸ فوائد رضویہ ص ۴۱۴

۱۹ ترجمہ ریحانۃ الادب ج ۵ ص ۱۹۸

۲۰ مہدی موعود ص ۵۹

۲۱ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۴۲۶

۲۲ یاد نامہ علامہ مجلسی ص ۵

۲۳ یاد نامہ علامہ مجلسی ص ۱۸۵ ج ۱ ،

۲۴ نابغہ فقہ و حدیث ص ۱۸۴

۲۵ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۴۸

۲۶ زندگی نامہ علامہ مجلسی ص ۶۶

۲۷ قصص العلماء ص ۲۰۹

۲۸ الامل الآمل ج ۲ ص ۲۴۸

۲۹ یاد نامہ علامہ مجلسی ص ۲۶

۳۰ بحار الانوار ج ۱ ص ۲ ، یاد نامہ علامہ مجلسی ص ۶

۳۱ مقدمہ بحار ، یاد نامہ علامہ مجلسی ص ۶ ص ۷ ص ۸

۳۲ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۵۴

۳۳ کشف الاسرار ص ۳۱۶

۳۴ کارنامہ علامہ مجلسی ، مقدمہ بحار ص ۵۱

۳۵ پاسدار اسلام ج ۱۸ ص ۵۹،

۳۶ کارنامہ علامہ مجلسی ص ۶۴

۳۷ کارنامہ علامہ مجلسی ص ۶۵

۳۸ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۸۳

۳۹ فوائد رضویہ ص ۴۱۴

۴۰ قصص العلماء ص ۲۰۹

۴۱ نابغہ فقہ وحدیث ص ۹۴

۴۲ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۸۰

۴۳ نابغہ فقہ وحدیث ص ۲۱۹

۴۴ نابغہ فقہ وحدیث ص ۲۸۹

۴۵ نابغہ فقہ وحدیث ص ۹۵

۴۶ ایران صفوی از دیدگاہ سفرنامہ ہائے اروپیان ص ۵۷

۴۷ ایران صفوی از دیدگاہ سفرنامہ ہائے اروپیان ص ۶۷

۴۸ پیدائش دولت صفویہ ص ۲۷،

۴۹ صحیفہ نور ج ۸ ص ۸

۵۰ صحیفہ نور ج ۱ ص ۲۵۵

۵۱ صحیفہ نور ج ۱ ص ۲۵۹

۵۲ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۲۱

۵۳ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۲۱

۵۴ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۲۱

۵۵ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۲۶

۵۶ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۴۸

۵۷ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۸۲

۵۸ دین و دولت در عصر صفویہ ص ۱۱۳

۵۹ دین و دولت در عصر صفویہ ص ۱۱۲

۶۰ ایران صفوی از دیدگاہ سفرنامہ ہائے اروپیان ص ۶۹

۶۱ ایران صفوی از دیدگاہ سفرنامہ ہائے اروپیان ص ۲۴

۶۲ ایران صفوی از دیدگاہ سفرنامہ ہائے اروپیان ص ۶۹

۶۳ ترجمہ اعتقادات علامہ مجلسی ص ۴

۶۴ زندگی نامہ علامہ مجلسی ص ۲۰۷

۶۵ ترجمہ اعتقادات علامہ مجلسی ص ۵

۶۶ ترجمہ اعتقادات علامہ مجلسی ص ۸

۶۷ تاریخ روابط خارجی ایران ص ۱۲۹

۶۸ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۵۰

۶۹ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۱۹

۷۰ الامل الآمل ج ۱ ص ۵۰

۷۱ روضات الجنات ج ۲ ص ۸۶

۷۲ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۲۰۳

۷۳ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۲۵

۷۴ یادنامہ علامہ مجلسی ص ۲۱

۷۵ روضات الجنات ج ۲ ص ۸۶

۷۶ فوائد رضویہ ص ۴۱۳

۷۷ الامل الآمل ج ۱ مقدمہ ص ۵۰

۷۸ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۹۰

۷۹ کارنامہ علامہ مجلسی ص ۱۸۱

۸۰ زندگی نامہ علامہ مجلسی ص ۱۶۰ ج ۱

۸۱ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۶۱

۸۲ الکنی والالقاب ج ۳ ص ۱۲۳

۸۳ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۶۱

۸۴ ترجمہ روضات الجنات ج ۲ ص ۲۶۴

۸۵ فوائد رضویہ ص ۴۱۴

۸۶ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۳۴

۸۷ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۳۵

۸۸ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۳۴

۸۹ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۰

۹۰ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۳۹

۹۱ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۰

۹۲ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۳

۹۳ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۳

۹۴ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۳۹

۹۵ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۳

۹۶ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۳

۹۷ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۳

۹۸ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۱

۹۹ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۳

۱۰۰ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۴ ص ۴۵

۱۰۱ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۴ ص ۴۵

۱۰۲ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۶

۱۰۳ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۸۲ ، ۱۰۴ ہجو افغان وزوال دولت صفویہ ص ۱۶ ، ۱۰۵ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۶

۱۰۶ انقراض سلسلہ صفویہ ص ۴۶ و ۱۰۷ ص ۴۷ ،

۱۰۸ الذریعہ ج ۲۰ ص ۲۵۲ ، ۱۰۹ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۸۳

۱۱۰ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۷۵ و ۱۱۱ ج ۱ ص ۱۷۷

۱۱۲ روضات الجنات ج ۲ ص ۸۹ ،

۱۱۳ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۲۵۱

۱۱۴ نابغہ فقہ وحدیث ص ۲۱۹ ، ۱۱۵ زندگی نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۸۸ ، ۱۱۶ فوائد رضویہ ص ۴۱۵ ، ۱۱۷ گلزار جنت بلاغی ص ۴۸ ص ۴۹ ، ۱۱۸ قصص العلماء ص ۲۰۷ ،

ہم نے بچپن میں اپنے اساتذہ سے بار بار سنا ہے کہ اگر مجلسیؒ کی زندگی کے وساعت سے ان کی تحریروں کا اوسط نکالا جائے تو روزانہ کم و بیش ہزار سطریں جو یقیناً محیر العقول اور مخصوص تائید غیبی ہی ہے ، مجلسیؒ مجمع صفات و فضائل اور تصنیف و تالیف کے ساتھ عبادت ، ریاضت ، زہد و تقویٰ ، درس و تدریس و خطابت اور عوامی رابطہ کیلئے بھی مشہور تھے خیال ہے کہ وہ جو لکھتے تھے کسی کاتب نہیں لیتے تھے .

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷-۳۷۱۸۵

قم جمہوری اسلامی ایران

ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴